جملہ حقوق محفوظ

سلسلہ مطبوعات عصمت نمبر ۱

تصنیف

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ

بجے

راشد الخیری ایڈیٹر عصمت دہلی

طبع عصمت ایجنسی دہلی سے شائع کیا

جولائی ۱۹۳۵ء

تیسری مرتبہ

JA-11.30

غدر کی ماری شہزادیاں

بیلیہ پلس میلہ

غدر دہلی کی کچھ جانی انجانی شہزادیوں کی دردانگیز سرگذشت

بہ

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ

اپنے مخصوص دلچسپ انداز میں تحریر فرمایا

مع متعدد رنگین فوٹو بلاک کی تقطیع

رازق الخیری مالک عصمت بک ایجنسی دہلی نے

محبوب المطابع دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

WEST BENGAL URDU ACADEMY
LIBRARY, CALCUTTA

مغربی بنگال اردو اکاڈمی لائبریری، کلکتہ

Class No.

Book No.

Acc. No.

ملہ کے رسالے

دہلی

ایت مفید

زبان

سب سے زیادہ چھپنے والا مشہور و معروف با تصویر ماہوار رسالہ ۲۰ سال سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے عصمت تمام اردو رسالوں سے زیادہ تعداد پر اور ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین کے اعلیٰ درجہ کے مضامین ۸۰ صفحوں پر ہر ماہ شائع کرتا ہے عصمت ہی وہ رسالہ ہے جو صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے شریف بیگمات کے لیے ہندوستان کا چوٹی کا رسالہ سمجھا جاتا ہے۔
سالانہ چندہ قسم اول پانچ روپے
قسم دوم معمولی کاغذ تین روپے

اتنی آسان ہوتی ہے کہ دس گیارہ برس کی بچیاں بھی سمجھ سکیں نہایت دلچسپ کہانیاں اور مفید مضامین ہر ماہ شائع کیے جاتے ہیں بچیاں بڑے شوق سے بنات کا مطالعہ کرتی ہیں عصمت کے علاوہ صرف یہی پرچہ ہے جس میں حضرت علامہ راشد الخیری قبلہ ہر ماہ [illegible] مضامین تحریر فرماتے ہیں۔ بنات کا مقصد مسلمان بچیوں میں مذہبیت پیدا کرنا ہے۔ چندہ سالانہ ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر۔ اور بذریعہ وی پی ایک روپیہ پانچ آنے۔

منیجر عصمت و بنات کوچہ چیلان دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کل رات کو جب حسینہ ارضی چادر مہتاب میں لپٹی بیخبر پڑی سوتی تھی، دل وحشی رنگ لایا، چاند کی روشن شعاعیں تیر کی طرح آنکھوں میں گھسیں، دماغ نے راحت و سکون کے بجائے یاد رفتگاں پر رجوع کیا، اور آنکھیں زندہ دُنیا میں بچھڑی ہوئی صورتوں کی تلاش کرنے لگیں۔ تارے آدہی رات کا نقارہ بجا چکے تھے۔ آہستہ سے اُٹھا اور خاموشی سے چلا۔ اور ایک بجے کے قریب اِس جسد خاکی کو مہندیوں میں پہونچا دیا۔

دِل رو رہا تھا مگر آنکھ خاموش تھی۔ کائنات سو رہی تھی لیکن چاند مصروف تھا۔ مہندیوں کا وسیع میدان جہاں کوسوں زندہ اِنسان کا نشان نہیں ہے کا مشہور قبرستان ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز کا مقتدر خاندان اسی

فہرست

	گوہری تمبو	صفحہ ۹
۱	شہزادی مظفر سلطان بیگم کی سرگذشت	" ۱۲
۲	شہزادی زہرہ بیگم کی آپ بیتی	" ۲۲
۳	شہزادی قمر آرا بیگم کی سرگذشت	" ۳۱
۴	شہزادی قیصر جہاں بیگم کی آپ بیتی	" ۴۸
۵	شہزادی برجیس دولھن کی آپ بیتی	" ۵۴
۶	نمنی حیدری کی آپ بیتی	" ۶۸
۷	قمر جہاں کی داستان	" ۷۳

زچہ تارے دیکھ رہی ہے — سہ رنگی
میسنا بازار — سہ رنگی
ارے یہ تو عورت ہے — (ایک رنگ)

جملہ حقوق محفوظ

تعزیہ مسلمانوں کی حالت کا آئینہ تھے ان کی صورتیں دیکھتا ہوا باہر نکلا۔ ببر کے تکیہ سے آگے بڑھ کر کوٹلہ میں دم لیا اور پھرتا پھراتا اُس جگہ پہونچا جو بیلہ روڈ کہلاتی ہے۔

بیلہ روڈ ترقی جہاں آباد کا ایک شعبہ ہے۔ برقی لالٹینیں جگمگا رہی تھیں سڑک موتی کی طرح صاف و شفاف، دونوں طرف خوشنما کوٹھیوں کی قطار پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو اور کبھی کبھی ایک ہلکی سی آواز کسی چوکیدار یا برقنداز کی۔

بیلہ روڈ کا بورڈ پڑھتے ہی پرانی دلی یاد آگئی اور بیلے کی اصل تصویر آنکھوں کے سامنے تھی۔ بیلا سرکنڈوں کا ایک گھنا جنگل پچاس سال پہلے جمنا کے کنارے دور تک چلا گیا تھا۔ یہاں دلی والوں کی کبڈی اور آنکھ مچولی کے تماشے میری آنکھوں نے بھی دیکھے ہیں۔ اور جو رنگ میں دیکھ چکا ہوں جہاں آباد ہزار بار اُجڑے اور بسے مگر وہ چیز ختم ہو چکی۔

دل بدبخت کی کیفیت الفاظ میں کیونکر ادا کروں۔ چاند آسمان کی گود میں اٹھکیلیاں کر رہا تھا اور تارے بساط فلک پر ایلے گیلے پھر رہے تھے۔ میں بھی وہی تھا اور آسمان بھی وہی لیکن ہائے زمین وہ نہ تھی بیلا اُجڑ چکا تھا، سرکنڈوں کی چھاؤں غارت اور پرندوں کے آشیانے تباہ و تاراج ہو چکے تھے۔ آنکھوں نے نگہبود کی طرف اس جمنا کو دیکھا جس کے پانی کو دنوں نہیں برسوں ترستے رہے تھے، مگر آہ جمنا کہاں! وہ نہروں میں تقسیم ہو کر اب ایک تالاب رہ گئی تھی دل جس کو ڈھونڈھ رہا تھا اس کا کوسوں پتہ نہ تھا۔

اس وقت پچاس برس پہلے کی ایک صحبت یاد آتے ہی کلیجہ پر سانپ

سرزمین میں محو خواب ہے۔ راستہ آتش ماہ سے دہک رہا تھا۔ اور خوابگاہ نیم کی خوشبو سے مست و معطر تھی۔ درگاہ میں داخل ہوا تو شکستہ آثار اور کالی کلوٹی دیواریں مسلمانوں کے احساس کی تفسیر کر رہی تھی۔ ایک خاندان کے ان سات بزرگوں کی آرام گاہ مولانا شاہ ولی اللہ۔ مولانا شاہ عبدالقادر۔ مولانا شاہ عبدالرحیم۔ مولانا شاہ عبدالعزیز۔ مولانا شاہ رفیع الدین۔ مولانا شاہ محمد اسحٰق اور وہ محترم ماجس کے پیٹ سے یہ لال پیدا ہوئے آج پردہ دنیا پر یگانہ روزگار ہے سات سہیلیوں کا آسمانی گچھا ہر رات ان کے مقدس نام چومتا ہوا نمودار ہوتا ہے ہوا ان کے کارناموں کو گنوا کر ان پھولوں کو جو تناور درختوں کی سرسبز پتیوں نے ان کے مبارک مزاروں پر چڑھائے صاف کر رہی تھی۔

میں دلی کا رہنے والا ہوں جوانی کی سیاہی اسی سرزمین پر بڑھاپے کی سفیدی سے بدلی۔ بارہا میتوں کے ساتھ بھی اور فاتحہ کی غرض سے بھی جانے کا اتفاق ہوا ہے مگر آج تک اس چبوترے پر چڑھنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ تاریخ جس وقت مملکت علوم کے ان تاجداروں اور مذہب اسلام کے ان خدمت گزاروں کی حکومت اور خدمت سامنے لاتی ہے تو جسم کانپ جاتا ہے اور اقلیم سخن کے ان شہنشاہوں کا جلال پاؤں میں زنجیر بنکر پڑ جاتا ہے۔ تھرا جاتا ہوں اور دور سے اس جھنڈے کو سلام کرتا ہوا الٹے پاؤں واپس ہوتا ہوں جو ان مبارک ہاتھوں نے اسلام کی حمایت میں گاڑا اور جو آج بھی اتنا مستحکم و استوار ہے کہ انقلاب زمانہ کی زبردست سے زبردست آندھی اس کو جگہ سے نہیں سرکا سکتی۔

درگاہ سے باہر نکلا تو کچی پکی قبریں ٹوٹی پھوٹی دیواریں الٹے سیدھے

ہنڈو ٹکے ہوئے تن زیب کے مہین مہین انگرکھے، کندھوں پر بسنتی دوشالے، صورتیں، سرخ و سفید چہرے، جو تھا وہ ہنستا بولتا اچھلتا کودتا گھن چلا جا رہا تھا۔

آج اُن صورتوں کا خیال آتے ہی دل بیٹھ جاتا ہے۔ سستا سماں بے فکری کے دن، من بھر کے گیہوں، چار پیسے سیر دودھ، اور دودھ بھی کیسا ملائی کے گھونٹ دن بھر کا اوٹا ہوا، آدھ سیر دودھ میں آدھ پاؤ زیادہ روٹی کی روٹی ملائی دو گھونٹوں میں جی خوش ہوگیا۔ یہ تھیں وہ غذائیں جو آدمی کو آدمی بناتی تھیں آج کے دلی والوں کو دیکھتا ہوں سوکھے چھپٹی دھان پان آنکھوں میں حلقے، کلوں میں گڑھے رزق کے مارے، خوراک کو محتاج، دودھ کو ترستے، گھی کو پھڑکتے۔

میں اس کو بھی بسا غنیمت سمجھتا ہوں کہ شہر کے صاحب کمال اپنے ساتھ ہی اپنے قدرداں بھی ختم کر گئے اور آج کا بیان داستان شب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جس وقت کا یہ ذکر ہے ان دنوں آدھی رات کے وقت شہر میں ایک صدا گونجتی تھی۔

"شیدی کنور کے باغ کا دانہ"

یہ ایک خوش الحان کنجڑا تھا جو نو بجے رات کو شیدی قنبر کے باغ سے کھجوروں کا چھیبا لیکر اٹھتا تھا۔ رات کے سناٹے میں جب اس کی آواز بھنبیری کی طرح جھومتی تھی تو لوگ پروانوں کی طرح گرتے تھے۔ اسی طرح نوچندی جمعرات کو بڑیوں کے کٹڑہ میں عشا کے بعد حنا کی بس آواز میں ایک خاص امتیاز تھا۔

"پٹیں آرہی ہیں موتیا کی"

لوٹ گیا۔ میں اور میرے پھوپھی زاد بھائی مولوی اشرف حسین ایک شام کو مولوی نذیر احمد مرحوم کے ہمراہ گاڑی میں جا رہے تھے۔ منشی ذکاء اللہ مغفور بھی ساتھ تھے۔ موری دروازہ کے پاس پہونچے تو معلوم ہوا کہ بھولو شاہ (بو علی شاہ قلندر) کی بسنت ہے۔ جمعرات کا دن تھا۔ دلی نئی نئی تاراج تھی مگر دلی والے آٹھویں دن پیر غیب پر جمع ہو کر اجڑی ہوئی دلی کی فاتحہ پڑھ لیتے تھے۔ ہم دونوں بھائی مولانائے مرحوم کے شاگرد تھے گاڑی ایسی جگہ پہونچی جہاں دلی کا مشہور بین نواز رحمت اپنے فن کا کمال دکھا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ مولانا کی استادانہ حیثیت رحمت کے مقابلہ میں مغلوب ہو رہی ہے جو کمزور ہوتے ہوتے اس حد تک پہونچی کہ استاد مرحوم نے گاڑی رکوا دی۔

دلی اے دلی تیری خاک سے کیسے کیسے باکمال پیدا ہوئے اور تیرے ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں میں فنون کے کیسے کیسے تاجدار دفن ہیں جن کی روشنی ایک دنیا کو جگمگا گئی۔ کجا مولوی نذیر احمد اور منشی ذکاء اللہ اور کجا رحمت بین نواز مگر حق یہ ہے کہ کمال اتنا تو ہو کہ کلیجہ توڑ دے دونوں بزرگ اتر پڑے یہ خبر نہیں کہ کیا دیا مگر نقد بھی دیا اور داد بھی دی۔

گاڑی عصر کے بعد گھر لوٹی اور ہم دونوں بھائی اپنے چند دوستوں کے ساتھ شاموں شام پیر غیب پہونچے۔

کیونکر دکھاؤں کہ کیا دیکھا۔ میلے میں میلا اور جنگل میں منگل ہو رہا تھا آج جہاں بجلی کے خاموش قمقموں پر اُلو بول رہا ہے یہاں دور تک دکانوں کا تانتا تھا۔ قنبوتنے ہوئے، ڈیرے پڑے ہوئے، خیمے گڑے ہوئے،

لہ جنہوں نے مثنوی میر حسن کو ایڈٹ کیا ہے۔

ملے تھے۔ مرزا کا طنطنہ یاد ہے؟ محلے والوں کی روح فنا ہوتی تھی، جدھر نکل گئے قیامت آگئی۔ تھانہ دار اور کوتوال تک پناہ مانگتے تھے۔ اب دیکھو کیا رنگ ہے۔ کمر جھک گئی، طباق سا چہرہ، پیپی اور چھاج سا سینہ، تنکا رہ گیا۔ وہ چونچالی اور خوشحالی سب ہوا ہوئی۔ جس نے نوسن مکمل کی جوڑی پھول کی طرح اٹھالی۔ آج پان سیر وزن اٹھانے میں انپ رہا ہے! بادشاہ یہ سب طاقت اور جوانی کے کھیل ہیں ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔"

"آج کہرام ہے۔ یہ سامنے والا تنبو دیکھا شہزادیوں کا ہے۔ بادشاہ کی بھتیجی گوہر آرا بیگم آئی ہیں اور سہیلیوں کو جمع کیا ہے۔ سب اپنی اپنی غدر کی داستانیں سنائیں گی بڑی سرکار ربیعہ بیگم جہاں پناہ کی صاحبزادی بھی آئی ہیں اذن عام ہے جو چاہے شریک ہو۔"

گوہری تنبو کے سامنے والا میدان آدمیوں سے پٹا پڑا ہے بسنتی قمقمے ڈال ڈال اور پات پات جگمگا رہے ہیں قندیلیں روشن ہیں چراغ جل رہے ہیں اور کافوری شمعیں ان حسرت نصیب گھڑیوں پر آنسو بہا رہی ہیں۔

گوہر آرا بیگم کی بچھڑی ہوئی سہیلیاں جو کبھی پھولوں میں تلتی تھیں اور اب پیوندوں میں ڈھکی ہوئی ہیں اس غرض سے جمع ہوئی ہیں کہ ان بدنصیبوں پر فاتحہ پڑھیں جن کو وقت نے بھوکا یہاں مرت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب شمع ان مہان بیویوں کی ترستی ہوئی آنکھوں کو زندہ صورتیں دکھا چکی اور ایثار مصائب کی یاد نے جو قیامت بپا کی تھی وہ ختم ہوئی تو دل ان کھنڈروں کو ڈھونڈھنے لگا جو جیتے جاگتے خاک و خون میں نہانے

ہم آگے بڑھے تو شہزادہ مرزا محمد اشرف گورگانی بی اے آئے۔ ان سے باتیں ہو رہی تھیں کہ پھولوں کی آواز کان میں آئی اور مرزا نے کہا۔

"شہزادی گونج رہی ہے"

اُدھر پہونچے تو بیگم ایک عجیب انداز سے پھول بیچ رہی تھی۔ پٹاپٹ کے گجے۔ تر پی ہوئی کیکری کٹاؤ کی جالریں چھیبوں پر پڑی ہوئی۔ توے کا حقہ منہ سے لگا ہوا نیچے پھول مہک رہے ہیں، اوپر پنجرے میں اگن لہک رہا ہے، ادھر پھولوں کی خوشبو ہے، اُدھر تمباکو کی سامنے قلعی دار پاندان ہے، برابر میں کوری صراحی، الغرض نفاست اس کی حالت پر اور شرافت اس کی صورت پر قربان ہو رہی تھی۔ بڑھاپے کی حدود میں سرخ و سپید رخساروں کی جھریاں باآواز بلند قصر شباب کی بہار سنا رہی تھیں۔ میں بیگم کے نام سے تو واقف تھا مگر خبر نہ تھی کہ بڑھیا گلفروش کے منہ سے بھی پھول جھڑتے ہیں میر محفوظ علی جو ہمارے ساتھ تھے اور ہم میں شاید سب سے بڑے تھے ٹھٹک گئے اور کہنے لگے۔

"بیگم! آواز کا کڑاکا اب بھی غضب ڈھا رہا ہے"

بیگم کے خاموش چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے مونڈھوں کو ٹھیک کیا اور کہا "آؤ سید بیٹھو"۔ جب ہم بیٹھ گئے تو بیگم نے جواب دیا۔

"سید بادشاہ! اب کڑاکا کہاں، جوانی اپنے ساتھ سارا کس بل لے گئی، رہا سہا غدر نے اچھو کر دیا، ہاتھ پاؤں میں سکت نہیں، بدن میں جان نہیں، ڈاڑھیں نکل گئیں، دانت جھول آئے، بدن کا سکھ، جوانی نے توڑا، ڈھانچ رہ گیا ہے چاروں طرف لیے پھرتی ہوں۔ پرسوں چچا کالے

سے بدتر، کھٹیا پر پڑا پاپڑ بیل رہا ہے۔

شہزادہ مرزا محمد اشرف گورگانی بی اے جو اس صحبت میں ہمارے شریک تھے اور جنہوں نے یہ رات رو رو کر صبح کی تھی اگر زندہ ہوتے تو یقیناً شاہزادیوں کا یہ نالہ جو بیلے کی سرزمین پر بلند ہوا مرنے نہ پاتا اور فضاء ادب میں ایسا گونجتا کہ سننے والے بھی بلبلا جاتے۔ لیکن بدبختوں کی تقدیر پر کوئی رونے والا بھی نہ رہا اور لانتعداد راتوں کی طرح وہ رات بھی آئی گئی ہوئی جس نے خاندان تیموریہ کی ان لٹی کٹی بیگمات کے آنسو اپنے آغوش میں لیے۔ گوہری تنبو خلیفہ اکبر کے دنگل میں گاڑا گیا تھا پردوں طرف قناتیں کھڑی ہوئی تھیں اور رات کا تاریک حصہ بجائے دیبا و حریر کے ان مخدرات کے نازک جسم کی پردہ پوشی کر رہا تھا جو قلعہ معلی سے نکل کر اس وقت بیلے کی مہمان تھیں۔ آسمان کے تارے انکی تیرہ بختی کے شاہد تھے اور زمین بتا رہی تھی کہ یہ شہر پر راج کرنے والیاں آج دو دو دانوں کو محتاج ہیں شہزادیوں میں پردہ برائے نام تھا اس لئے تنبو میں داخلہ کی عام اجازت تھی۔ جگہ چونکہ کافی اور میدان وسیع تھا اس لئے چپقلش نہ تھی۔

گوہر آرا بیگم شکریہ ادا کر چکیں تو مہمانوں کے سامنے پانوں کی کشتی آئی کاغذی خستے جو بادشاہ کے ساتھ ہی شہر سے کوچ کر گئے چاروں طرف سلگ رہے تھے کہ ایک بیوی سنبھل کر بیٹھیں اور گوہر آرا بیگم نے فرمایا۔

"یہ ظل سلطانی کی خالہ زاد بہن مظفر بیگم ہیں۔ انکی صورت شکل پہچانی نہیں جاتی۔ مگر جنہوں نے قلعہ کی چہل پہل اور اس مظفر کی رنگ

آنکھیں ڈھاڑیں مار مار کر روئیں اور دوستوں نے نام لے لے کر پکارا۔ مگر زندگی کی گھڑیاں اس تماشے کو روندتی ہوئی آگے بڑھیں۔ آنے والوں کی مسرت نے جانے والوں کی یاد دل سے بھلا دی۔ فانوس بزم احباب کو منور کر رہے تھے محبت کا دور جاری تھا اور پھولوں کی خوشبو ہوا کو معطر کر رہی تھی کہ مہماں نواز خاتون نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

آج بیلا اور بیلے کے مہمان دونوں اجڑ چکے شہزادیوں کی بزم اور اس کے دور ختم ہوئے وہ رات فجر ہوئی اور اس کے بعد لاتعداد راتیں سر پر آئیں اور گئیں مگر اس رات کا سماں آج تک آنکھوں میں سمایا ہوا ہے اور اب موت کے سوا اس جلسے کو بھلانے والی دوسری چیز نظر نہیں آتی۔

شاہجہاں آباد اگر تاراج نہ ہو چکا ہوتا تو بیلے کی یہ رات حق رکھتی تھی کہ اسکا ایک ایک لمحہ دلی والوں کے سر آنکھوں پر ہوتا۔ تاریخ ان قیامت خیز واقعات کی پرستش کرتی اور انسانیت کی آنکھیں ان مصیبت ماروں پر جن کی داستانوں نے سننے والوں کے کلیجے دہلا دئے۔ محبت کے آنسو گراتیں۔ مگر وقت نے شہر کو اور شہر کے ساتھ شہر والوں کو اس طرح تباہ کیا تھا کہ عقل و ہوش سب رخصت ہو چکے تھے۔ یہ بھی چند زندہ دلوں کا طفیل تھا کہ زندے مردوں کے ذکر سے مٹی ہوئی زندگیوں کو تازہ کر رہے تھے۔ میں نے بھولو شادی اس بسنت میں جو صورتیں دیکھی تھیں اب ان میں سے ایک بھی نظر نہیں آتی اور جو چہرے گوہری تمبو میں نظر آئے وہ سب رخصت ہو چکے اور ایک آدھ باقی بھی ہے تو مرنے

پھیرا ہے مگر یہ تقدیر کی خوبی ہے کہ جب عالیجاہ پر وقت پڑا اور دلی کی آواز کو ترس گئے تو ہم کسی خدمت کے قابل نہ رہے۔

مظفر سلطان کے منہ سے سرکار کا نام سنتے ہی سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بادشاہ کی مغفرت کے لئے ہزاروں ہاتھ بلند ہو گئے۔

جب یہ ہو چکا تو مظفر سلطان نے کہا:۔

شہر کی حالت اتنی ابتر ہو گئی تھی کہ ہر طرف کہرام مچ رہے تھے اور کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں سے رات بھر رونے پیٹنے کی آواز نہ آتی ہو بھاگنے والے بھاگ چکے تھے اور اب بھی جدھر جس کا منہ اٹھا جا رہا تھا۔ افراتفری ایسی تھی کہ بھائی کو بھائی کی خبر نہ تھی۔ زندوں کی خیر صلاح تھی [illegible] کا ہوش نہ غیروں کا خیال۔ مغرب کے بعد منشی [illegible] کہ کل اس اسکو پھانسی ہو گی۔ ست ہی ست پر [illegible] دوسرے کی خیر نہیں بھاگنے کا رستہ تھا نہ چھپنے کی جگہ [illegible] میں جان اور کھٹکے میں دل۔ جو پکڑا گیا پھر پلٹ کر نہ آیا میرے شوہر خسرو مرزا کو دن دہاڑے کوتوالی چبوترہ پر کالے مخبر نے پھانسی دلوائی۔ میں بہتیرا ہی تڑپی اور پیٹی کہ صاحب عالم کی لاش اپنے ہاتھ سے دفن کروں مگر کسی نے نہ سنی اور یہ ہی کہا کہ جب بادشاہ ہی کے لالوں کو کفن نصیب نہ ہوا تو ہم کس گنتی میں ہیں مرزا کے بعد جینے کا مزا نہ تھا اور مجھے سب سے بڑا کھٹکا سلیم کا تھا جس کی مسیں بھیگ رہی تھیں کہ دیکھئے اسکا کیا ہوتا ہے میں نے کالے مخبر اور اس کی بیوی

رلیاں دیکھی ہیں وہ سمجھ گئے ہونگے کہ غدر نے جن کو زندہ چھوڑا ہے ان کو بھی اس طرح پنجوڑا کہ حال سے بے حال، اور صورت سے بے صورت کر کے۔ یہ انار کا سرخ و سپید دانہ آج پھیکا شلجم ہے حق یہ ہے کہ ہمکو اِس صورت ہی کے لالے تھے۔ قربان جایئے اس خدا کے جس نے بچھڑی ہوئی مظفر کو ہم سے ملوا دیا اور یہ صورت پھر دکھا دی مظفر پر شہر سے نکل کر کیا بیتی یہ خود سنائے گی مگر اتنا میں بھی جانتی ہوں کہ ہماری عیش کی گھڑیاں حضور کے دم تک تھیں ہمارا سہاگ بادشاہ کے ساتھ ختم ہوا۔ جتنا ہنسنا تھا سرکار کے ساتھ ہنس لیے اب روئیں گے اور اسوقت تک روئیں گے جب تک بدن میں سانس باقی ہے۔"

رات خاصی ڈیڑھ پہر کے قریب گذر چکی تھی اور گو تمام میسلہ میں کچریا بک رہی تھیں مگر گوہری تمبو والوں کو سانپ سونگھ گیا تھا گویا نماز ہو رہی ہے کہ کہا سننے کھونسنے کے سوا کوئی آواز ہی نہ تھی مظفر سلطان بیگم اب آگے کھسکیں انہوں نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔

(۱) شہزادی مظفر سلطان بیگم کی سرگذشت

"ظل سلطانی جن کے سایہ میں ہمارا بچپن کٹا اور جوانی گذری۔ ہم سے ہزاروں کوس دور زندگی کے باقی دن پورے کر کے دنیا سے رخصت ہو چکے سرکار کے مبارک ہاتھوں کے نوالے بارہا میرے منہ میں گئے ہیں اور حضور نے سینکڑوں ہزاروں مرتبہ میرے سر پر شفقت کا ہاتھ

تھیں اور لالٹینوں میں انکی تلواریں اور کرچیں دور سے جگمگا رہی تھیں۔ قدم بڑھانے کی ہمت نہ پڑی اور دونو بچوں کو کلیجہ سے لگا وہیں بیٹھ گئی جب میں نے دیکھا کہ پہرے والے تک بیخبر پڑے ہیں تو بچوں کے منہ پر آیتہ الکرسی پڑھ کر پھونکی اور دبے پاؤں چوروں کی طرح آگے چلی۔ کیا بتاؤں دل کا کیا حال تھا سر پر موت تھی اور سامنے وہ موئے برقنداز مگر اللہ کی کچھ ایسی مہربانی ہوئی کہ میں پرانے قلعہ تک پہونچ گئی اور سانس تک کی آواز میرے کان میں نہ آئی۔ یہاں میں ٹھٹکی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا چاند کی آخر تاریخیں ہر طرف اندھیرا گھپ۔ اس پر یہ خوف کہ صبح کو جو دیکھے گا وہ مار ڈالے گا۔ رستے کا پتہ نہیں کہ کدھر جاؤں۔ غرض بچوں کو لے اسی سڑک پر سیدھی ہولی سلطان جی پہونچکر مجھے معلوم ہوا کہ ہم نظام الدین میں ہیں۔ فرخ نے پانی مانگا مگر میرے پاس پانی کہاں۔ اسکو بہلاتی پھسلاتی لیے جا رہی تھی کہ دو آدمیوں کی آواز سنائی دی۔ جان نکل گئی اور سمجھی کہ ظالم آ گئے سڑک چھوڑ کچھ ڈنڈی پر ہولی دل دھکڑ دھکڑ کر رہا تھا اور جان کا اللہ ہی وارث تھا کہ پو پھٹی اور ایک گاؤں کی سی صورت نظر آئی +

اب میں نے اپنا بھیس بدلا دوپٹہ سر سے باندھا اور سلیم کی اچکن پہنکر خاصا اچھا لڑکا بن گئی۔ گاؤں کے پاس ایک ٹوٹی سی مسجد تھی۔ ہم تینوں وہاں پہونچے ایک بڈھے سے گنوار نے غلط سلط اذان دی اور ہمکو غور سے دیکھ کر پہونٹتے ہی کہنے لگا "شہر سے بھاگے ہو" میں نے بھی نماز پڑھی مگر کیا خاک پڑھی۔ دل کا اللہ ہی بیلی تھی سلام پھیر چکی تو بڑے میاں سے کہا "اس لڑکی کو پیاس لگ رہی ہے

بچوں کی رات رات بھر خدمت کی کہ کہیں ظالم میرے بچے کا نام نہ لے دے۔ اور مرزا کے ساتھہ اسکا داغ بھی نہ اُٹھانا پڑے۔ کالا اصل میں لوہار تھا مگر اس وقت شہر بھر کا مختار تھا اس کی مخبری پر چٹکی بجاتے پھانسی ہوتی تھی۔ پوچھہ نہ گچھہ۔ مِسل نہ مقدمہ۔ جس دن بھائی فراست کو پھانسی ہوئی ہے وہ رات خدا دشمن کو نہ دکھائے اور میرے واسطے تو قیامت سے کم نہ تھی۔ جب کالے نے کہا کہ تمھارے بچے کا بھی نام آیا ہے میں اتنا سُنتے ہی چکرا کر بیٹھ گئی کالا میری حالت پر ہنسا اور کہا "شہر میں بارہ مخبر ہیں اسوقت تو میں نے بچا لیا۔ مگر ان بے ایمانوں کے منہ کو تو خون لگا ہوا ہے اور مسجد میں قسم کھالی ہے کہ بے لیے اپنے باپ کو نہ چھوڑینگے تمہارے پاس جو جمع جتھا ہو لے آؤ میں لے دے کر پاپ کاٹوں۔ خبر نہیں دوڑ کس وقت آجائے۔"

میرے پاس نقد تو ایک کوڑی نہ تھی جو گہنا پاتا تھا وہ اوپلوں کی کوٹھری میں دبا رکھا تھا مجھے زیور بچہ سے زیادہ نہ تھا دوڑی دوڑی گئی اور جو کچھہ تھا کھود کھدا اس کے حوالے کیا۔ مگر دل کا یہ حال تھا کہ گز دل اوچھل رہا تھا اور سب سے بڑا دھڑکا یہ تھا کہ تیزی کی بارہ چھوڑ ستائیس ہو گئی تھی مگر مردوں کی سلامتی کی گھنگھنیاں اب تک نہ اُبلیں کس کی نیند اور کس کی بھوک آدھی رات اسی چکر میں بیت گئی مجھے ٹھیک یاد بھی نہیں کہ آدھی تھی یا پچھلا میں نے سلیم اور فرخ دونو بچوں کو ساتھہ لیا سلیم ماشاءاللہ پندرہویں اور فرخ اندر کے چھٹے برس میں تھی یہ دونو نیند میں کسماتے اُٹھے مگر ان کو لے کر کسی نہ کسی طرح دلی دروازے تک پہونچی۔ گوروں اور کالوں کی راویاں کھڑی ہوئی

اب بڈھے بڑھیا کا ڈر تھا کہ کب آئیں اور کدھر سے آئیں تینوں اس مقبرے میں گھسے اور دن وہیں گذارا بھوکے پیاسے لق لق کرتے رات کو نکلے تو سڑک پر ایک کوٹھری میں دو مٹکے سے دکھائی دیئے یہ پیاؤ تھی پیٹ بھر کر پانی پیا لٹیا بھر ساتھ لی اور آگے بڑھے۔ صبح ہوتے ہوتے فرید آباد پہونچے۔ ہم تھک کر چور ہو گئے تھے اور پاؤں میں موٹے موٹے چھالے پڑ گئے تھے۔ فرید آباد کے ایک قاضی صاحب نے ہم کو مہمان بھی رکھا اور خاطر تواضع بھی کی مگر یہ کہہ دیا کہ "یہاں زیادہ رہنا ٹھیک نہیں" مخبر ادھر بھی آجاتے ہیں تم لوگ جلدی کوچ کرو" میں اتنا سنتے ہی پریشان ہو گئی اور شام ہی کو وہاں سے چلتی ہوئی۔ دوسرے دن گیارہ بجے کے قریب ہیبیا پہونچے یہ ہندوؤں کا گاؤں تھا جہاں ہر طرف سے ہم پر لعنت برسنے لگی، بھنگیوں اور چماروں کی طرح ہم کو جھوٹی روٹی کے ٹکڑے ملے اور الگ سے پانی پلایا۔ بھوک میں کواڑ بھی پاپڑ ہوتے ہیں کسی نہ کسی طرح پیٹ بھرا۔ کہیں میرا دوپٹہ سر سے سرک گیا تو ایک موٹے جگادری ہندو نے دوپٹہ یہ کہہ کر اتار لیا۔

"ارے یہ تو عورت ہے"

میں چور بنی کھڑی تھی کہ دو تین ہندو میرے دونو بچوں کو پکڑ لے گئے اور مجھ سے کہا "تو مخبر ہے نکل یہاں سے نہیں تو ابھی سر پھاڑ ڈالیں گے"

ایک شخص میرا ہاتھ پکڑ مجھکو سڑک پر چھوڑ گیا اور یہ کہہ گیا کہ "اب گاؤں میں قدم رکھا تو جان کی خیر نہیں"

انہوں نے ایک میلے کچیلے مٹکے کی طرف اشارہ کیا جو کوٹھری میں رکھا تھا۔ ٹوٹے ہوئے کٹورے سے پانی بھرا اور اوک سے پلایا تو بڑے میاں نے اتنی مہربانی کی کہ ہم سے کہا: "تم لوگ بھوکے ہوگے چلو میں کھانا کھلا دوں!" ہم ان کے ساتھ ہو گئے بھوک کے مارے [illegible] ان کے گھر پہونچے تو معلوم ہوا بڑے میاں بڑھئی ہیں۔ انہوں نے غور سے ہماری صورتیں دیکھیں اور کہنے لگے: "مال مصالحہ تو بہت سا لائے ہوگے ہمارا حصہ تو دلواؤ!" میں نے کہا: "تلاشی لے لیجئے پھوٹا بادام بھی پلے نہیں بھوکے مر رہے ہیں ہمارے [illegible]" بڑھئی خاموش تھا اس کی بڑھیا بیوی اندر سے [illegible] پیاز کے گھٹے لائی۔ ہمکو وہی غنیمت ہو گئے میں اس عورت کو [illegible] میں شکریہ ادا کر رہی تھی کہ اس نے فرخ کو دیکھ کر کہا۔

"تم کو روٹی نصیب نہیں اس بچی کو کہاں لیئے پھرتے ہو [illegible] چھوڑ جاؤ نہال کرے گی پیٹ پالے گی۔"

میری تو یہ سُنکر جان نکل گئی بڑھیا میری بچی کا [illegible] طرف لے گئی اور مجھ سے کہنے لگی یہ تو دلی کی انگنائی ہے [illegible] کالے آتے رہتے ہیں تمکو بھاگنا ہے تو جلدی بھاگ جاؤ [illegible] جاؤ وہ گاؤں بھی اچھا ہے اور بچا ہوا بھی ہے۔" میں اسکا منہ تکنے لگی فرخ روئی تو بڑھیا نے اس بُری طرح سے ڈانٹا کہ [illegible] اپنے کام پر چلا گیا ہم دونو کھڑے اپنی تقدیر کو رو رہے تھے بڑھیا اپنی [illegible] لے کر جنگل کو گئی اور میں اپنے دونو بچوں کو ساتھ لے ایک طرف ہولی۔ تھوڑی دُور جا کر ایک ٹوٹا سا مقبرہ دکھائی دیا گوروں اور کالوں سے زیادہ

مادری اس توسن کو مہمیز کر رہی تھی یہاں تک کہ رات کی سیاہی نے کائنات کا ساتھ چھوڑا اور ہم ایسے پہاڑ کے دامن میں پہونچے جہاں مرغ کی آواز انسانی آبادی کا پتہ دے رہی تھی بچے بھوک کے مارے بلبلا رہے تھے میں تو خیر دن بھر کی بھوکی پیاسی اعمال کو بھگت اور تقدیر کو رو ہی رہی تھی معصوم بچے نہ معلوم کس گناہ میں پکڑے گئے تھے کہ تن کو چیتھڑا تہا نہ پیٹ کو ٹکڑا پاؤں کے چھالوں میں سے پانی اور ہاتھ کی کہڑیچوں سے خون بہ رہا تھا مگر دھجی تک میسر نہ تھی کہ پٹی باندہ دیتی رات جس نے اپنی زندگی میرے بچوں کی رہنمائی کو وقف کر دی تھی دم توڑ چکی اور دن ہم خانماں بربادوں کے استقبال کو آگے بڑہا مگر رات کی دیوی کا سایہ ہمارے واسطے نعمت تہا جس نے اپنا سیاہ لباس دن کو اوڑہا کر کرۂ دنیا پر دھکیلا اس کے خوفناک چہرے میں آفتاب کا کچہہ ایسا ذخیرہ چھپا ہوا تہا کہ ننہے منے دل دہل گئے اور سلیم بخار میں لوتھ ہوا اور فرخ سر پکڑ کر بیٹھ گئی گاؤں کچہہ فاصلہ پر تہا مگر نہر قریب ہی جاری تھی اب اس کے سوا کیا چارہ تہا کہ میں نے اپنی پھٹی ہوئی رضائی املی کے نیچے پانی کے قریب بچہائی اور دونو بچوں کو وہاں لٹا کر فرخ کا سر دبانے بیٹھ گئی۔

چہرہ آفتاب کی ترقی کے ساتھ میرے بچوں کے ٹکہڑے تمتمانے شروع ہوئے اور ابھی پہلا پہر ختم نہ ہوا تہا کہ سلیم بالکل ہی بے سُرت ہو گیا رات بھر کا خمار اور پانچ چہہ کوس کی تکان اس پر بھوک اور پیاس اور نہیں گھر نہیں! مجہپر جو گذری بیان نہیں کر سکتی

اَب مَیں کس طرح بتاؤں کہ بچّوں سے چھوٹ کر میری کیا کیفیت ہوئی دِن بھر بڑ کے نیچے بیٹھی روتی رہی اور خدا خدا کر کے شام ہوئی۔

ابھی رات کی سیاہی پوری چھائی نہ تھی کہ مامتا بڑ کے نیچے سے اُٹھا کر گاؤں میں لے آئی جھٹ پٹا وقت تھا گوالنیں اپنی گائے بھینسوں کا دودھ دوہ رہی تھیں اور آنے جانے والے اِدھر اُدھر آجا رہے تھے میرا دِل ہوا ہو رہا تھا اور دم پر بنی ہوئی تھی کہ اب کسی نے پکڑا مارا اور نکالا تھوڑی دور ایک ٹیلے کے پیچھے چھپی۔ لیکن یہاں بھی چین نہ پڑا۔ نکلی مُنہ گاؤں کی طرف کیا مگر ہمت نہ پڑی اور ایک جگہ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی ابھی جھٹ پٹا ہی تھا کہ عورتوں اور مردوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں گھی کے چراغ ہاتھ میں لیئے مندر کی طرف جانے لگیں۔ شاید کوئی میلہ ہوگا جس کا پُورا حال مجھے معلوم نہیں جب مندر کھچا کھچ بھر گیا تو میں اسی گھر پر پہونچی جہاں میں نے اپنے بچے چھوڑے تھے جھانک کر دیکھا تو ایک بڈھا پڑا ہوا حقہ پی رہا تھا اور دونو بچے سامنے بیٹھے تھے۔ سوچتی تھی کہ کیا کروں بچّوں کو کیونکر بلاؤں مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی دِل کڑا کیا جان پر کھیل کر اندر قدم رکھا تو بڈھا اونگھ رہا تھا میں نے بچّوں کو اُٹھایا بڈھا اونگھتا ہی رہا اور میں بچّوں کو ساتھ لے باہر آئی اب چاروں طرف اندھیرا گھپ تھا البتہ مندر سے بھجنوں کی اور جنگل سے گیدڑوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ آگے آگے میں اور پیچھے پیچھے بچے۔ دونو بچے بھاگے چلے جا رہے تھے۔ مجھکو اپنی جان کی پروا نہ تھی بچّوں کے دھڑکے نے نیم جان کر دیا تھا جسم کی تمام قوت جمع ہو کر ٹانگوں میں آگئی تھی اور شفقت

مامتا کی ڈوبی ہوئی آنکھیں دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھیں ایک نگاہ سلیم پر تھی اور دوسری فرخ پر۔ اٹکل سے دو کا وقت سمجھکر میں نہر پر وضو کرنے بیٹھی کہ وہی رحمدل جاٹ آ پہونچا اور اس کی اس آواز نے مجھے چونکا دیا "ارے تو عورت ہے" میں تھر تھر کانپنے لگی کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے ہزاروں قسم کے خوف تھے مگر خدا اسکا بھلا کرے میں تو کہتی ہوں سینکڑوں مسلمان اس ہندو پر قربان مجھ سے کہنے لگا "بہن چل میرے گھر چل" میں اسکا منہ تکنے لگی اس نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا "ڈر نہیں تو بہن اور میں بھائی" فرخ کو میں نے گود میں لیا اور سلیم کو اس نے پیٹھ پر، میں ڈرتی ڈرتی اس کے گھر پہونچی تو اس کی بیوی شوہر سے زیادہ ملنسار تھی۔ بچوں کی طبیعت دوسرے دن ٹھیک ہو گئی اور ان دونو میاں بیوی نے ایسی محبت سے رکھا کہ اب بھی خیال آتا ہے تو بیساختہ دعا نکلتی ہے میں ڈیڑھ مہینہ تک اس گھر میں رہی جاٹ جاٹنی نے پردیس کو دیس بنا دیا۔ جب میں نے سن لیا کہ شہر میں امن جمی ہو گئی تو ادھر کا رخ کیا۔ بھائی جاٹ خود ہم کو یہاں تک پہونچانے آیا اور میرا رونگٹا رونگٹا اسکو ہر وقت دعائیں دیتا ہے +

مظفر سلطان کی داستان اس قدر دلچسپ اور درد انگیز تھی کہ بیلہ کا میلہ سیلانیوں کی سیر اور دوکانداروں کا کاروبار سب خاک میں مل گیا، جو تھا وہ گوہری تمبو میں آٹھ آٹھ آنسو رو رہا تھا کچھ ایسا سناٹا چھایا کہ جو تھا وہ دم بخود۔ مظفر کا بیان ختم ہوا

ہوا ہماری غذا تھی اور املی کی پتیاں ہماری مہمان نواز، فرخ نے پانی مانگا میں چلو بھر کر لائی کہ دو جاٹ موٹے موٹے لٹھ کندھوں پر رکھے سر پر آ دھمکے اور پوچھا تم کون ہو اور یہاں کیوں ٹھہرے ہو" میں نے منت سے کہا "ہم مسافر ہیں تھک کر چور ہو گئے بچوں کو بخار ہو گیا دم لے رہے ہیں دوپہر ڈھلے آگے بڑھ جائیں گے" ایک جاٹ جس کی مونچھیں بڑی بڑی تھیں بگڑ کر بولا "تم لوگ شہر سے بھاگے ہو ہم کو بھی پکڑواؤ گے جاؤ یہاں سے آگے بڑھو" میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا "بچے بیمار ہیں دیکھ لو بخار چڑھ رہا ہے تھوڑی دیر میں چلے جائیں گے لُو چل رہی ہے گرمی تیز ہے اب چلے تو بن آئی مر جائیں گے" اس نے لٹھ زمین پر پٹخا اور کڑک کر کہا "اُٹھا بچوں کو آگے بڑھ" میری روح فنا ہو گئی کہ اگر اس نے میرے لٹھ مار دیا تو پھٹکا بھی نہ کھاؤں گی اور کسی بچے کے پڑ گیا تو سی بھی نہ کر سکے گا۔ فرخ کو گود میں لیا سلیم کو اُٹھایا تو کھڑا نہ ہو سکا دوسرے جاٹ کو مجھ پر رحم آگیا اور کہا "اچھا بیٹھ جا" یہ کہہ کر وہ دونو چلے گئے اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہی بچارا تین موٹی موٹی روٹیاں اور مٹھا لے کر آیا۔ میں نے اسکو ہزاروں دعائیں دیں۔ بچے تو کیا کھاتے میں نے ایک روٹی کھائی اور دو رکھ لیں کہ اگر ان میں سے کسی نے ٹکڑا مانگا تو دیدوں گی۔ دوپہر سے پہلے ہی لُو کے جھکڑوں نے میرے لالوں کو جھلسانا شروع کیا۔ ہوا کے تھپیڑے منہ پر طمانچے مار رہے تھے اور بخار زدہ معصوموں کے منہ پر پھلیریاں بندھ رہی تھیں۔ آسمان انگارے برسانے لگا اور زمین شعلے اگلنے لگی،

فقرہ ختم ہوتے ہی ایک دفعہ بیگم پھر ہنسی اور وہی صدا دوبارہ گونجی۔

"لپٹیں آرہی ہیں موتیا کی"

بیگم کے دونوں چھبے موتیا سے چوٹی دار بھرے ہوئے تھے ایک میں گجراتی دوسرے میں دیسی۔ ہوا ان کی خوشبو سے مست ہو رہی تھی اور انسانی دماغ جو بادشاہ کا نام سنتے ہی اپنی بدبخت آنکھوں سے آنسو گرا چکے تھے خاموشی سے جھوم رہے تھے شاہی تصویر انکی آنکھوں کے سامنے پھر گئی قلعہ معلیٰ کا سماں یاد آگیا، گذرے ہوئے دن اور بیتی ہوئی راتیں کلیجے پر چھریاں چلانے لگیں لمحہ بھر ہو کا عالم رہا آخر گوہر آرا بیگم نے پہلے پانوں کی کشتی مظفر سلطان کے سامنے رکھی اور پھر زہرہ بیگم سے کہا "ہاں بیگم اب تم اپنی بپتا سناؤ خدا نے دوبارہ ملوایا ہے ہمکو تو اُمید تھی نہیں"

زہرہ بیگم نے ہنسکر گوہر آرا بیگم کا شکریہ ادا کیا اور کہا "جس خدا نے بچھڑوایا تھا اسی نے ملوا دیا میں اپنی داستان کیا سناؤں دل میں زخم ہیں، زخموں میں ٹیسیں ہیں شہر جہاں پناہ کے ساتھ اُجڑ گیا اب ہر طرف اللہ ہی اللہ ہے خدا کی شان ہے ہمارا قلعہ جس کی دھوپ میں ہمارا بچپن جوانی سے بدلا اور جس کی چھاؤں میں ہمارے نال گڑے تھے ہماری آنکھوں کے سامنے ہم سے ویسے بدل چکا اور ہم اس کی صورت کو ترس رہے ہیں نیم کی پتیاں اور پیپل کی کونپلیں جس وقت ہوا میں سرسراتی ہیں اور یہ ہری بھری شاخیں اور سرسبز ٹہنیاں جب ہوا میں تیرنے والے پرندوں کو اپنی گود میں لیتی ہیں اور آزادی کے

اور شہزادیوں کے تالے دلی کے آسمان کا کلیجہ توڑ چکے تو گوہر آرا بیگم نے میزبان کی حیثیت میں یہ الفاظ کہے:۔

"مظفر سلطان نے بتا دیا کہ قلعہ معلیٰ کی بسنے والیاں جنہوں نے گرمی کے دن خس کی ٹٹیوں اور پنکھوں میں گذارے تو کے تھپیڑوں اور املی کے پتوں میں بھی زندہ رہ سکتی ہیں مگر کون کہہ سکتا تھا کہ خود حضور عالی پر کیا کچھ نہ گذر جائے گی۔

حضور کا نام زبان پر آتے ہی دلی والے تڑپ اُٹھے اور "ہائے بادشاہ" کے نعرے چاروں طرف سے بلند ہوئے آدھ گھنٹہ سے زیادہ یہ کہرام مچتا رہا تو شمع زہرہ بیگم کے سامنے آئی۔ زہرہ بیگم جہاں پناہ کی بھانجی تھیں وہ ابھی کچھ کہنے نہ پائی تھیں کہ گوہری تنبو میں یہ آواز گونجی۔

"پلٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

گوہر آرا بیگم بولیں: "خالہ جیتی رہو۔ غنیمت ہے تمہارا دم کہ روتی صورتوں کو ہنسا دیتی ہو۔"

(۲) شہزادی زہرہ بیگم کی داستان

میلے کے بازار جہاں تھوڑی دیر پہلے ایسی چہل پہل اور گہما گہمی تھی کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دے اس وقت سناٹے میں تھے اور تمام میلہ سمٹ سمٹا کر گوہری تنبو میں آگیا تھا گوہر آرا بیگم کا

آتی ہے کہ وہ کس طرح تماشے دکھاتا ہے دور فاصلہ پر ایک دھندلی سی روشنی نظر آئی ہم ایک کونہ میں بیٹھ گئے اور دو نومرد وہاں پہنچے تو وہ چنے کی دوکان تھی وہ چنے پلاؤ بن گئے چنے والا بھی بھلا مانس تھا چنے بھی کھلائے پانی بھی پلایا ذرا پیٹ میں پڑی تو آگے بڑھنے کی سوجی مگر ادھر دیکھتے ہیں تو چچی جان ٹھنڈی برف پڑی ہوئی ہیں۔

آکا نے دیکھ کر کہا انکی نبضیں بھی جا چکیں بہتیرا جھنجوڑا آوازیں دیں لیکن ان کو ہوش نہ تھا حالت لحہ بہ لحہ غیر ہو رہی تھی اندھیرا گھپ صورت بھی نہ دکھائی دیتی تھی سانس سنا تو وہ بھی کچھ ٹھیک نہ تھا مختصر یہ کہ گھڑا برسنے لگا۔

میں سمجھتی ہوں دنیا میں اس سے زیادہ درد انگیز موتیں کم ہونگی شہد اور دوا تو درکنار پانی تک نصیب نہ تھا یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ کب گذریں اور کیونکر گذریں خالہ سکندر نے کہا ہو چکیں ہیں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ مر بھی گئیں یا نہیں راتوں رات گڑھا کھود کر وہ بھی کس طرح کتلوں سے اٹا سیدانی ہی کے کپڑوں میں جو بدن پر تھے دبا دیا اور روانہ ہو گئے۔

"صبح ہم کو دکھائی میں ہوئی یہ مسلمانوں کا گاؤں تھا اور یہاں آکا میاں کے ایک دوست رہتے تھے وہ ہم سب کو اپنے گھر لے گئے اپنی ذات سے بہت نیک آدمی تھے لیکن ان کی بیوی ایسی دماغ چڑی تھی کہ خدا کی پناہ سیدھے منہ بات کرنی ہی قسم تھی نیکبخت نے بیسنی روٹی پکائی گھی کی ہنڈیا پاس تھی آپ بھی کھایا بچوں کے ماں بھی

وہ اصل میں مذاقیہ آدمی تھا کیونکہ اسی شخص نے سب سے زیادہ ہمدردی کی اور دوپہر کا کھانا اسی نے کھلایا دن پہاڑ ہو گیا کہ کسی طرح گھٹتا ہی نہ تھا اور ہم اس فکر میں تھے کہ ذرا جھٹ پٹا ہو اور آگے بڑھیں۔ گاؤں والوں نے ہم کو پریشان نہیں کیا اور ہم نے جس طرح ممکن ہوا دن بسر کیا جی تو یہ چاہتا تھا کہ انکا شکریہ ادا کر کے آگے بڑھیں مگر مصلحت یہ نہ تھی شام ہوتے ہی چل پڑے۔ بچے نیند کے جھونکوں میں جھوم رہے تھے اور بڑوں کی بھی حالت کچھ اچھی نہ تھی دس بجے ہونگے کہ چچی جان کو بخار چڑھا۔ گرمی کے دن تھے لحاف رضائیاں ساتھ نہ تھیں۔ بخار سردی سے آیا سب ان کو لپٹ گئے مگر کپکپی کسی طرح نہ تھمی اس پر طرہ انکی پیاس تھی وہاں پانی کہاں ایک لوٹیا میں تو تلی پھوپی جان نے بچہ کے واسطے دو گھونٹ ساتھ لے لیا تھا وہی کام آئے مگر اس سے کیا ہوتا تھا آخر ایک درخت کے نیچے بچھونے بچھائے اور سوچا کہ یہاں دم لیں رات بھر کے جاگے ہوئے تھے تندرست کی خبر رہی نہ بیمار کی، آنکھ کھلی تو سورج سر پر تھا مگر سامنے ہی ایک ٹوٹا ہوا کنواں تھا بھاگ کر وہاں جا چھپے کہ کوئی دیکھ نہ لے آکا اور خالو باہر نکلے۔ گاؤں بہت دور تھا ہم لے ان کو نہ جانے دیا۔ بچے بھوک کے مارے بلبلا رہے تھے اور خود ہماری انتڑیاں بھی قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں مگر نہ کچھ کر سکتے تھے نہ ہو سکتا تھا رات سر پر آگئی اور گیدڑوں کے غل چنگھاڑ کے ساتھ بچوں کی چیخم دھاڑ نے اور بھی قیامت بپا کی آگے بڑھنے کو بدن میں سکت نہ تھا بچوں کو گودوں میں لیا خدا کی قدرت یاد

ناک بھوں چڑھا لیتی تھیں یہ خبر نہ تھی میت کو غسل بھی نصیب نہ ہوگا ۔

زہرہ۔ اجی حضت غدر نے جو مصیبت زندوں اور مردوں پر ڈالی ہے خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے خیر وہ تو مر کر سب بلاؤں سے چھوٹ گئیں زندوں کو فرمایئے کہ ان پر کیا گذر رہی ہوگی اور یہ پھلروا سے لال جب بلوں بلوں کرتے ہونگے تو ماتا کیا کہتی ہوگی ۔

گوہر آرا۔ ہاں بوی سچ کہتی ہو مگر جب صاحب عالم جہاں پناہ ہی پر ایسی گذری کہ آسمان اور زمین کانپ گئے اور بھوکے پیاسے گھر سے رخصت ہوئے تو ہم لونڈی غلام کس گنتی میں ۔

ابھی گوہر آرا بیگم کی گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک متفقہ آواز بلند ہوئی اور لوگوں نے تقاضا کیا کہ آگے فرمایئے ۔

زہرہ بیگم نے ہنکر کہا "بہت اچھا" پھر وہ سنبھلیں اور کہنے لگیں۔

"تیرہ آدمیوں میں سے ایک تو اللہ کو پیاری ہوئیں اب ہم بارہ آدمی تھے دوپہر کے وقت ایک بڑکے درخت کے نیچے ہم ذرا سستائے، گاؤں یہاں سے قریب تو نہ تھا مگر دکھائی دے رہا تھا پیاس کے مارے پپیہڑیاں بندھ رہی تھیں کہ ایک طرف سے گانے کی آواز آئی یہ لاؤ والوں کی صدائیں تھیں کیا بتاؤں عید کے چاند کی بھی اتنی خوشی نہ ہوگی جتنی اس وقت اس روز کی ہوئی ہم سب پیسے مگر مردوں نے ہم کو روکا اور خود گئے لاؤ والا بیچارہ کوئی شریف آدمی تھا اس نے ایک گھڑا پانی بھر دیا اور آکا نے آکر ہم سب کو پلایا ۔

لگایا۔ مگر ہم کو روکھی دی میں نے کہا اچار ہوتا تو اچھا تھا اُٹھی اور لہسن کی چٹنی سامنے لا رکھدی۔

ہم دو دن اور دو رات وہاں ٹھیرے مگر اس کی بدمزاجی سے بہت پریشان ہوئے اور تیسرے دن آگے روانہ ہو گئے۔"

یہاں تک پہونچکر زہرہ بیگم خاموش ہوئیں پانوں کی تھالی اپنے آگے گھسیٹی اور مسکرا کر گوہر آرا بیگم سے کہا "آپ کے آج کے میلہ نے تو اچھے اچھے مشاعروں کو مات کیا کہ جہاں تک نظر جاتی ہے آدمی ہی آدمی دکھائی دے رہے ہیں۔"

گوہر آرا بیگم بولیں "بیوی یہ بھی کوئی دن کی بات ہے چند روز بعد شہر اور شہر والے ان رنگوں کو بھول بھر جائیں گے نئے نئے لوگ ہونگے نئی نئی باتیں ہونگی دیکھ لو بادشاہ کے کیسے کیسے جان نثار جو پسینے پر خون بہانے کو تیار تھے خون کے پیاسے ہو گئے اور نمک حراموں نے جھوٹی گواہیاں دیں ابھی اعلیٰ حضرت کا نام زندہ ہے کہ ہم جیسی لونڈیاں موجود ہیں ہمارے بعد کوئی نام بھی نہ لے گا جس کے قدموں سے دلی اور دلی والوں نے آنکھیں ملیں اس کی روح فاتحہ کو ترسے گی اور دو روٹیاں بھی نصیب نہ ہونگی سچ پوچھو تو بیلہ میں میلہ اور جنگل میں منگل تمہارے دموں سے ہوا ورنہ اس کمبو میں کون آتا اور یہ چہل پہل ہوتی۔

ہائے تقدیر چچی جان غریب کو کفن نصیب ہوا نہ قبر کی ان ہی کپڑوں میں خدا کے سامنے بھی گئیں دیکھو خدا اپنی قدرت کے تماشے کس طرح دکھاتا ہے کیسی نازک مزاج بیوی تھیں بچھونے پر سلوٹ ہوتی تھی تو

ساتھ آیا کھانا اس قدر ساتھ تھا کہ دس اور ہوتے تو کافی ہو جاتا۔

"ہم یہاں پہونچے تو امی جمی ہو چکی تھی مگر گھر کے گھر سنسان ہو چکے تھے اور بعض محلے تو ایسے اُجڑے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ گدھے کے ہل پھر گئے، قلعہ کو دیکھ کر کلیجہ پر سانپ لوٹتا تھا باہر کی دیواریں دیکھ کر اندر کی عمارتوں پر فاتحہ پڑھی اور صبر و شکر سے رہنے سہنے لگے مگر دل پر جو گذری اور گذر رہی ہے وہ دل ہی جانتا ہے کیسے کیسے جوان برابر کی سہیلیاں اور ہمجولیاں آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں کہ دل ڈھونڈھ رہا ہے لیکن حضور ہی نہ رہے تو کس کے عزیز اور کہاں کی بھلیلیاں۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا!"

زہرہ بیگم ٹھٹکیں تو گوہر آرا بیگم کے اشارہ سے شمع قمر زمانی بیگم کے سامنے آئی یہ صاحب عالم کی بھانج بہو تھیں۔ ان کے شوہر محمد شاہ اور ایک جوان لڑکا غدر میں مارے گئے جب کالا مخبر قسم کھا گیا کہ دم میں دم ہے تو باقی کے دونوں لڑکوں کو پھانسی دلواؤں گا تو شہر سے بھاگیں۔

گوہر آرا بیگم نے کہا "قمر بوا اب اپنی بپتا سناؤ کہ یہ سب مشتاق ہیں" تو انہوں نے آنسو پونچھے اور کہنے لگیں۔

(۳۴) شہزادی قمر آرا بیگم کی آپ بیتی

جب مرزا صاحب اور بچہ اللہ کو پیارے ہوئے تو میری حالت دیوانوں کی سی تھی کالے نے میرے بیگناہ بچہ پر ستم تو ڑا اسکا بدلہ اسکو

بچوں نے پھر رونا شروع کیا اور بھوک سے بلکنے لگے مگر ہو ہی کیا سکتا تھا آخر ماموجان گاؤں کی طرف گئے اور خدا جانے بھیک مانگ کر یا اپنی داستان مصیبت سنا کر چار روٹیاں اور دو گٹھیاں پیاز کی لیکر آئے اور ٹکڑا ٹکڑا سب کو دیا۔

بریانی متنجن میں بھی یہ مزہ کبھی نہ آیا جو اس وقت کے ٹکڑے میں آیا کھاپی آگے بڑھے۔ بچوں کے پاؤں سوجھ گئے تھے اور لہو نکل رہا تھا مگر کیا کر سکتے تھے اسی طرح چلے گئے۔ شام کے قریب گوہانہ کے پاس ایک گاؤں میں پہونچے یہ مسلمانوں کا تھا اور یہاں کا جو کھیا تھا وہ سانس کے مرض میں بیمار تھا دنیا بھر کے علاج کر ڈالے مگر کسی طرح آرام نہ ہوا اتفاق سے اسکا ایک نوکر کنوئیں پر پانی بھرنے آیا ہم لوگ بھی وہیں ٹھہرے تھے خدا کی قدرت عجیب ہے وہ ایسے تماشے دکھاتا ہے کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔

نوکر نے کسی آدمی سے اپنے مالک کی حالت بیان کی۔ گورے خالو جنہوں نے عمر بھر شکار کھیلا اور کچھ نہ کیا دمہ کی دوا جانتے تھے انہوں نے کہا تین دن بیتا دھوئیں کی طرح نہ اڑ جائے تو توپ کے منہ اڑا دینا اس نے جا کر گھر میں ذکر کیا اسی وقت وہاں سے دو آدمی ہم کو لینے آگئے اور خوب آؤ بھگت ہوئی دونوں وقت گھی اور دودھ کی نہریں بہتی تھیں۔ گورے خالو تو حکیم جی بن گئے اور سارا گاؤں ان کے قدم لینے لگا دو مہینے تک ہم وہاں رہے جب ہم چلنے کا نام لیتے گاؤں والے روک لیتے آخر خدا خدا کر کے وہاں سے رخصت ہوئے دو بڑی بڑی بیل گاڑیاں انہوں نے ہم کو دیں اور ایک آدمی یہاں تک

افراتفری میں روٹی لینی بھول گئی، نہیں تو دو روٹیوں میں گھی لگا نون ڈال لیتی، اسکو بہلاتی پھسلاتی چلی جارہی تھی اور دل ہوا ہو رہا تھا کہ موئے گیدڑوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں چاند کی شروع تاریخیں گھنٹہ دو گھنٹہ کی بہار دکھاکر چندا ماموں بھی ساتھ چھوڑا اب ہم تین دم جنگل کا سناٹا اور ہوا کا فراٹا برقع میں جو ہوا بھری تو کپا ہو گیا بہتیرا ٹھیک کرتی ہوں مگر وہ ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیتا خدا خدا کرکے اتارا تہ کیا اور چلی اب جو دیکھتی ہوں تو چھوٹا سڑک پر بیٹھا بسور رہا ہے کہ روٹی دو۔

میں نے بہتیرا ہی سمجھایا بڑے نخرے نے چمکارا مگر وہ قبضہ میں نہ آیا مچل گیا چلانے لگا یہ بھی خدا کا شکر تھا کہ کوئی سننے والا نہ تھا آخر رتڑپ تڑپ کر بچہ سو گیا تو بڑے نے پیٹھ پر لادا اور پھر آگے بڑھے صبح ہوتے ہم شہر سے چار کوس دور نکل گئے یہاں کسی زمانہ کا ٹوٹا ہوا ایک مدرسہ تھا اور اس کے پاس ہی گاؤں بھی تھا میں نے ادھر اُدھر دیکھا تو ایک تالاب بھی نظر آیا میں نے وضو کیا اور مدرسہ میں آکر نماز پڑھی، بڑے کا انگرکھا اُتار کر ایک گوشہ میں بچھایا تو نیچے کنکر تھے ہاتھوں سے ان کو صاف کیا اور جھاڑ دے دلا انگرکھا بچھا دونوں کو اس پر لٹا دیا وہ دونوں رات بھر کے تھکے ہوئے اور جاگے ہوئے سو گئے اب مجھکو یہ خیال ہوا کہ چھوٹا اُٹھتے ہی "روٹی مانگے گا برقع اوڑھ باہر نکلی اور سامنے ایک گھر میں جاکر سوال کیا تو ایک بڑھیا باہر نکلی اور مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آئی ہے" میں اس سے کہڑی باتیں کر رہی تھی کہ ایک جوان سا آدمی میرے قریب آکھڑا ہوا

مل گیا چالیس دن کے اندر ہی اندر ایسا تاراج ہوا اور ایسی پڑی کہ خدا دشمن پر بھی نہ ڈالے جب وہ میرے بچوں کی فکر میں تھا تو میں ایک دن دونو بچوں کا ہاتھ پکڑ باہر نکلی، بھرا گھر تھا مگر کیا کیا بیتی برتن بھانڈا کپڑا اللہ زمین میں گاڑہ جدہر منہ اٹھا چلتی ہوئی بڑی خرابی یہ تھی کہ رات کو نکلی تو رستہ کا پتہ نہ تھا اور دن کو جاتی تو پکڑا دھکڑی ہو رہی تھی جھٹ پٹا ہو رہا تھا کہ میں نے دونو بچوں کا ہاتھ پکڑا۔ مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ یہ لاہوری دروازہ ہے یا کابلی بڑے لڑکے نے جو اللہ رکھے اب گیارھویں میں ہے بتایا کہ یہ اجمیری دروازہ ہے گوروں کا پہرہ اور انکی کرچیں اور تلواریں دیکھ کر جان نکل گئی چھوٹے نے کہا" اماں بیوی کہانی کہانی چلو کھڑکی میں سے نکل جائیں گے" مجھ کمبخت کو کیا خبر کہ کہانی کہاں ہے اور کھڑکی کدھر! اس کے پیچھے ہولی وہ تھا تو بچہ مگر سچا تھا چلتے چلتے ایک ٹوٹا دروازہ ملا اسی کو کھڑکی کہتے تھے یہاں بالکل سناٹا تھا ہم باہر نکلے تو خاصی دو ڈیڑھ گھڑی رات گذر چکی تھی اور چاندنی اچھی طرح نکل رہی تھی بڑے نے کہا" یہ ادھر تو نظام الدین ہے اور ادھر گوڑگانوہ" ہم نے نظام الدین کی سڑک چھوڑ دی اور گوڑگانوہ کی طرف ہو لیے ابھی تھوڑی دور گئے ہونگے کہ ادھر سے گھوڑوں کی ٹاپ کی آواز آنی شروع ہوئی۔ بس دم نکل گیا بچوں کو لے کر ایک پیپل کے درخت کے پیچھے جا چھپی تو تین گورے سرپٹ گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے کا ٹھیوں میں کبوتر اور فاختہ چگے اور خبر نہیں کیا کیا پرندے بندھے ہوئے تھے یہ شکاری لوگ تھے وہ نکل گئے تو جان میں جان آئی آگے بڑھی" چھوٹا تنہا کہنے لگا" ہم تو تھک گئے اور بھوک لگ رہی ہے" میں اپنی

کلمہ پڑھا اور کہا" ہم کو کیوں پوچھتا ہے فقیر میں حکم ہوا آگے صبح آگے بڑھ جائیں گے جلدی بتا کیا حال ہے"

بڈھے نے غور سے صورت دیکھی تو فی خوبن نے زور زور سے الحمد پڑھنی شروع کی اور کہا دیکھتا کیا ہے دوا بھی لے دعا بھی لے" دور دور بیماری دور" بول کیا حال ہے اور دیکھ سات دن میں تیرے گھر پر بلا نازل ہونے والی ہے، آگ لگے، مردہ نکلے، ڈھور مرے، سناؤنی آئے، بیمار کو دم کا پانی دے، جا جا دور دور بلا دور)

بڈھا سوچتا ہی رہا کہ کیا کرے اتنے میں اندر سے ایک اندھیر عمر کی عورت دروازہ میں آئی اور کہنے لگی کیا ہے بڈھے نے جواب دیا" ہے کون اللہ نے اپنے مہمان بھیجے ہیں آجا کوئی مرد نہیں ہے" میں اب تک تو سہم رہی تھی مگر اب مجھے بھی ہنسی آنے لگی خوبن نے عورت کی صورت دیکھتے ہی کہا" بیمار کا یہ حال کر دیا اچھا اب بھی ہشیار ہو مسجد میں چراغ جلا دور دور بلا دور۔

خوبن نے اتنا ہی کہا تھا کہ عورت قدموں میں گر پڑی اور کہنے لگی" میرا لڑکا بخار میں تڑپ رہا ہے اندر چلکر دیکھ لو" مرد بولا" مائی جی کہتی ہیں بلا نازل ہونے والی ہے" عورت تو اتنا سنتے ہی خوبن کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی کہ رحم کرو۔

میرے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے اور خوبن اکڑ رہی تھی" دور دور دور" کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی عورت اور مرد دونو سامنے آکھڑے ہوئے ایک نے ہاتھ جوڑے ایک نے پاؤں پکڑے انکے کہنے سننے اور منت خوشامد سے خوبن کلمہ درود پڑھتی ہوئی لوٹیں مجھے انہوں نے

اور ڈانٹ کر کہا "تو شہر سے بھاگی ہے ہم تجھکو پکڑ کر شہر پہونچائیں گے"
خدا معلوم وہ کمبخت کیا کرتا کہ اور دو چار آدمیوں نے آکر اس کو دھمکایا
اور میری پوری کیفیت معلوم کرکے مجھکو چار روٹیاں اور مٹھا دیا۔

میں مٹھا اور روٹی لیکر مدرسہ آئی تو چھوٹا بچہ بے خبر اور بڑا بیٹھا
میری راہ دیکھ رہا تھا ایک روٹی تو میں نے بڑے کو دی اور ایک آپ
کھائی اتنے میں چھوٹا بھی اٹھ بیٹھا اس کے آگے رکھدی ہم کھانا کھا
رہے تھے دیکھتے کیا ہیں کہ خالہ سردار کی بیٹی بی خونن لڑکتی پڑکتی چلی
آرہی ہیں میری تو جان میں جان آگئی کہ پردیس میں خدا نے فرشتہ
بھیجدیا خونن عورت کیا آفت کا پرکالا تھی آتے ہی مارے ہنسی کے
پیٹ میں بل ڈال دئے میں بھی ساری بپتا بھول گئی ایک روٹی اسکو
دی روٹیاں موٹی موٹی تھیں اور ایک بہت تھی دونو بچوں نے
تو اس میں سے بھی ٹکڑا چھوڑ دیا۔ کھاپی چکے تو بھلا خونن کیا چپکی بیٹھنے
والی تھی۔ میں نے بہتیرا کہا کہ چپکی بیٹھ جا مگر وہ کیا ماننے والی تھی
کہنے لگی "میں تو سارے رستے ہی اچھلتی کودتی آئی ہوں میرے ساتھ
تو چار اور ہوتے تو پیٹ بھر دیتی چل تو کہاں ہو میرے ساتھ چل"
میں اس کے ساتھ ہولی وہ ایک ایک گھر میں سنگنیاں لیتی تھی۔ ایک
گھر میں سے کسی بیمار کے کراہنے کی آواز آئی وہاں کان لگا کر دیر تک
سنتی رہی اور پھر اس زور سے کنڈی بجائی کہ میں ڈر گئی ایک بڈھا
اندر سے نکلا تو کڑک کر کہنے لگی۔

"بیمار کا کیا حال ہے ابتک آرام نہیں ہوا" وہ آدمی ہکا بکا ہو کر
رہ گیا اور کہنے لگا "جی تم کون ہو" مگر مسلمان کا تھا بی خونن نے زور سے

میں تھا۔ مجھکو تو ایسے کھانے ملے کہ میں قلعہ بھی بھول گئی روز مرغ پکتے تھے کیونکہ خوبن جو تعویذ لکھتی تھیں وہ مرغ کے خون سے، دور دور کے لوگ آنے لگے اور بی خوبن کی وہ پوجا ہوئی کہ خدا کی پناہ مدرسہ میں تو ہم کوئی آٹھ دس ہی دن رہے اس کے بعد ایک بہت بڑا مکان جو بارہ دری کے نام سے مشہور تھا ہمکو مل گیا۔ کھانا تو ہم کو کبھی پکانا پڑا نہیں اور چاروں طرف سے اتنا آتا تھا کہ ہم جیسے بیس آدمیوں کو کافی ہوتا دونو وقت دو مٹکے دودھ کے آتے تھے خوبن کے صدقہ میں ہماری بھی عزت ہوگئی پیرانی جی تو ایسی پوجیں کہ آس پاس کے گاؤں بھی ان کے قدموں میں آگرے ہر وقت ایک میلہ سا لگا رہتا تھا۔ میرا بڑا تھا اب گھن تھا جو کچھ آتا تھا اسی کے ہاتھ میں اور جس کا کام اٹکتا تھا وہ اسی کی خوشامد کرتا تھا کہ پیرانی جی دعا کریں تو کام ہو جائے۔

ہمکو یہاں رہتے ہوئے خاصے دو ڈھائی مہینے ہو گئے کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ خوبن کے پاس دو ڈھائی روپیہ کے پیسے نقد نہ آجاتے ہوں بڑا تھا تیسرے چوتھے روز روپیہ بندھوا لیتا تھا خوبن کا تو کام چل رہا تھا وہ کیوں گھبراتی مگر اب میرا دل اُکھڑ گیا اور میں نے اس سے کہا کہ اب گھر چلنا چاہیئے وہ بڑی مشکل سے راضی ہوئی اس خبر سے لوگ اور بھی زیادہ اس کے گرویدہ ہوئے غرض خدا خدا کر کے بڑی مشکل سے تین مہینے کے اقرار پر اجازت ملی عورتیں اور مرد اس طرح رو رہے تھے جیسے کوئی اپنا عزیز جاتا ہے صبح کی نماز کے وقت ہم گاڑی میں بیٹھے اور شہر کی طرف روانہ ہوئے دوپہر کو ایک گاؤں میں جسکا نام گرت تھا ہم لوگ ٹھہرے۔ کھانا بہت کافی تھا اچھی طرح پیٹ بھر کر کھایا۔ کنوئیں کا ٹھنڈا

ہدایت کر دی تھی کہ پیچھے پیچھے رہوں اور ہاتھ جوڑے رہوں۔ وہ دونو میاں بیوی بھی ان سے دو قدم پیچھے میرے ساتھ تھے خوبن گھر میں داخل ہوئیں تو عورت پک کر آگے بڑھی اور چراغ دکھایا باہر کے چبوترہ پر بیمار پڑا ہائے ہائے کر رہا تھا یہ ایک جوان لڑکا تھا اور بخار چڑھا ہوا تھا خوبن نے جھوٹ موٹ نبض دیکھی اور زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔

" ڈھائی سیر خشکہ ڈھائی سیر گھی ڈھائی سیر دہی ڈھائی سیر کھانڈ ابھی تیار کرو اسکا بخار میں لے لیتی ہوں" اتنا سنتے ہی دونو ماں باپ کی جان میں جان آگئی یہ ترکیب خوبن نے اس وقت کی جب دیکھ لیا کہ پنڈا پسیج رہا ہے اور بخار اترنے والا ہے گاؤں میں کیا کمی تھی سب چیزیں گھر میں موجود تھیں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں خشکہ اور سب سامان آگیا خوبن نے اس میں سے دونوالہ کھائے اور آواز لگائی۔

" دور دور بلا دور بخار دور چل چل اس کے پاس سے چل آ آ آ میرے پاس آ"

مریض کا بخار اتر ہی رہا تھا بی خوبن خشکہ لے وہیں مدرسہ میں آئیں اور ہم سب نے ملکر کھایا اور پڑ رہے صبح ہوتے ہی عورتیں اور مرد ٹھٹ کا ٹھٹ موجود تھے کہ پیرانی جی کہاں ہیں۔ میرے فرشتوں نے بھی یہ سوانگ نہ دیکھے تھے میں نے تو کہدیا بوا خوبن میرے بس کا روگ نہیں ہے مگر بڑا نہا اس کے ڈھب پر چڑھ گیا ایک لکڑی لیکر باہر بیٹھ جاتا اور جہاں لوگ آئے آواز سے کہدیا ٹھہر جاؤ پیرانی جی نماز پڑھ رہی ہیں، چار پانچ دن میں تو سارا گاؤں بی خوبن کے قدموں

مجھ سے کہا تیری نیند کون لیگیا کل بھی تو رات بھر جاگی اور آج بھی نہیں مرتی۔ ہمارے ہاں سے بہت کچھ کما کر لائی ہے وہ سب اُگلنا پڑے گا" میں نے جلدی سے خوبن کو جگایا اور اب جو دیکھتی ہوں تو چار آدمی موٹے موٹے لٹھ لیے سر پر کھڑے ہیں ان میں سے ایک نے کہا" اگر آواز نکالی تو ابھی مغز پھاڑ ڈالیں گے جو کچھ پاس ہو سب رکھدو" پیرانی جی ذرا پھیلی تھیں اور اتنا ہی کہنے پائی تھیں کہ ہم" فقیروں کے پاس کیا خاک رکھا ہے" کہ ایک شخص نے اس کے منہ پر زور سے تھپڑ دیا اور کہا" اب اور بول" اس کے بعد تلاشی ہوئی جو کچھ پاس تھا سب چھین لیا۔ یہ خدا کا شکر ہے کہ موسم گرم تھا ورنہ اور مصیبت آتی اس میلے کچیلے جوڑے کے سوا جو بدن پر تھا دانت کریدنے کو تنکا تک نہ رہا ہمارے ساتھ آٹا اور گھی بہت تھا اور ہم سمجھتے تھے گھر پہونچکر بھی کھائیں گے مگر وہ بھی چھین لیا اور اس کے بعد انہوں نے دیا سلائیاں جلاکر میری اور خوبن کی صورتیں دیکھیں۔ ہماری بھی تقسیم ہوئی اور اسی طرح دونو بچوں کی بھی باری آئی وہ بھی بچے۔ میں نے کہا کہ چھوٹا بچہ میرے ساتھ رہے تو اچھا ہے نہیں تو مر جائے گا لیکن کسی نے نہ مانا اور ہم جس جس کے حصے میں آئے تھے اس کے ساتھ چلنے پر مجبور ہوئے۔

میں نے ایک ایک کے آگے منت خوشامد کی، قدموں پر سر رکھا لیکن وہ ظالم کیا مانتے خدا کا یہ بھی شکر ہے کہ میں جس کے پلے پڑی وہ بدمعاش نہ تھا اس کی گھر والی نے مجھے لونڈیوں کی طرح رکھا میری اصلی مصیبت کا آغاز اسی جگہ سے ہوتا ہے۔

میں صبح چار بجے سے اُٹھا دی جاتی تھی اور ڈھوروں کا گوبر جمع کرکے

پانی پیا اور درختوں کی چھاؤں میں تھوڑی دیر بیٹھے گاڑیبان نے بیلوں کے آگے کٹی ڈالی پانی پلایا وہ بھی سستا لیے تو کوئی تین بجے کے قریب ہم آگے بڑھے مگر ایک بات سے میں کھٹک رہی تھی کہ گوجر گاڑیبان رستے بھر اکڑ اکڑ کر اور اُکھڑ اُکھڑ کر باتیں کر رہا تھا نبھے نے کہا بھی کہ "ذرا آہستہ بول پیرانی جی سو گئی ہیں" تو اس نے جواب دیا کہ "ایسی ایسی پیرانیاں بہت سی دیکھی ہیں" ہم سمجھ رہے تھے کہ پانچ چھ روز میں شہر پہونچ جائیں گے اور چلتے وقت بھی یہ ہی سب نے کہا تھا کہ بیل موٹے اور جوان ہیں یہ بچھڑے دوہری منزل طے کرینگے دلّی چھٹے روز داخل ہوگی مگر اب اس کمبخت نے کہا کہ "پورے پندرہ روز لگیں گے دلّی یہاں رکھی ہے اسی کوس جگہ کیا منہ کا نوالہ ہے!" میں نے دیکھا کہ اس کے تیور بگڑ رہے ہیں اور وہ رستہ میں دغا دے تو اچنبا نہیں اِس لیے رات تو ہمنے خیر جوں توں ایک گاؤں میں گذار لی خوبن اور بچے پڑے سوتے رہے اور میں رات بھر جاگتی رہی۔ گوجر کمبخت بھی رات بھر جاگتا ہی رہا اور جب وہ اُٹھا میں کھنکاری آخر اس نے کہہ ہی دیا "تجھے نیند نہیں آتی" صبح ہوتے ہی میں نے خوبن سے کہا "اُلٹی لوٹ چل یا تو ایک آدہ آدمی ساتھ لے یا گاڑی والا بدل" مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا اور ہم سب پھر شہر کی طرف چلے دوپہر کو کنوئیں کے پاس دم لیا اور دو گھنٹے ستا کر آگے بڑھے رات ہم کو میناپورے میں ہوئی یہ میناؤں کا گاؤں تھا میرا ماتھا نام سُنتے ہی ٹھنکا۔ مگر خوبن کا دِل شیر تھا وہ نہ ڈری اور ہم سب چوپال کے پاس اُترے گوجر ہم کو چھوڑ غایب ہوگیا اور دس بجے رات کے آیا۔ تو بی خوبن اور دونو بچے کھا پی کر سو گئے تھے گوجر نے

سُنتے ہی تڑپ اُٹھا دوڑ کر آیا اور کلیجہ سے چمٹ گیا ہم دونو اسی طرح چمٹے ہوئے رو رہے تھے کہ ایک شخص چیختا ہوا آیا اور بچے کا ہاتھ پکڑ کر الگ گھسیٹ لیا۔

بچہ کا چھٹنا میرے واسطے قیامت تھی میں نے گھر پہونچکر اپنے چودھری سے سارا واقعہ حرف بہ حرف سُنا دیا وہ بعض دفعہ جب میرے کام سے خوش ہوتا تھا تو رحم سے کام لیتا تھا اور تعریف بھی کرتا تھا اس وقت تو خاموش ہو رہا مگر دو تین روز کے بعد خود ہی کہنے لگا اچھا میں تیرے لڑکے کو ملوا دوں گا میں اس روز سے بلاناغہ دوپہر کے وقت اسی جنگل اور تالاب پر جاتی مگر پھر مجھکو نہ بچہ ملا نہ وہ ڈھور ملے۔ ایک دن کا ذکر ہے جیٹ پٹا وقت تھا کہ چودھری میرے بڑے کو ساتھ لیکر آیا اور کہا دیکھ میں نے اس سے کہدیا ہے کہ اگر یہ رہنا چاہے، تو یہاں شوق سے رہ کسی کی پروا نہ کر جلتونی والے دنگا مچائیں گے تو میں انسے سلٹ لوں گا میں یہ سُنتے ہی باغ باغ ہوگئی دونو میاں بیوی کا شکریہ ادا کیا اور مینے سے کہا جہاں آپ نے اتنا احسان کیا ہے اتنا اور کیجئے کہ چھوٹے کو بھی ملوا دیجئے ہم تینوں اِن ڈھوروں کی خدمت پیٹ بھر کر کرینگے مینا یہ سُنکر بہت خوش ہوا اور اپنے لڑکے سے کہا جا پربت نگر سے اس کے چھورے کو لے آ۔

میں کس زبان سے خدا کا شکریہ ادا کروں رات کو وہ لڑکا بھی آگیا میں نے اِس سے چپکے سے پوچھا ارے خرہن کی بھی کچھ خبر ہے تو وہ کہنے لگا ہاں وہ تو ہمارے ہی گاؤں میں ہے میں اِس سے باتیں

اوپلے تھاپتی تھی اس کے بعد ان ڈنگروں کی سانی اور کٹی کرتی جب دوپہر ہو جاتی تو ان کو لیکر جنگل نکل جاتی چلتے وقت گھر والی دو موٹی موٹی روٹیاں مجھے دیدیتی۔ میں جنگل ہی میں مرلیاں توڑ کر روٹی کھاتی۔ شام کو چاروں بھینسیں اور تین گائیں لیکر آتی تو پھر ان کے دھندوں میں لگ جاتی اگر کام سے ذرا غفلت کرتی یا کرنے کا ارادہ بھی کرتی تو میسنا کہتا "مارے لکڑیوں کے سر پھاڑ ڈالوں گا"۔

کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہ جاتی تھی کہ میں اپنے بچوں کی یاد میں آنسو نہ بہاتی ہوں۔ میں نے ایک دفعہ دل کڑا کر کے اس مینے سے پوچھا تو اس نے کہا "تیرے دونو بچے اچھے ہیں۔ بڑا تو ذرا دور ہے مگر چھوٹا پاس ہی کے گاؤں میں ہے اب وہ بھی کام کاج خاصا کرتا ہے۔ میں پچھلی سوموار کو گیا تھا اگر تو کام اچھا کرے گی تو تجھکو اس چھوٹے سے ملوا دوں گا" میں اس کے قدموں میں گر پڑی کچھ اسکو مجھپر رحم بھی آگیا اور کہنے لگا اچھا آج دوپہر کو یہ جو سامنے جھنڈ ہے اس کے نیچے پربت نگر میں آجائیو میں بھی وہیں جا رہا ہوں تیرا چھورا بھی وہیں ہے، میں نے اسکو ہزاروں دعائیں دیں اور دوپہر سے پہلے ہی پہونچ گئی تو دیکھا کہ پربت میں وہ بھی ایک چھوٹا سا سر کنڈا لیئے بھینس چرا رہا ہے میری جان میں جان آگئی اسکو کلیجہ سے لگا کر دیر تک روتی رہی آخر بینے کے کہنے سے اسکو چھوڑ اپنے گاؤں آگئی۔

سات مہینے اسی طرح گذر گئے ایک دن کا ذکر ہے کہ میں ندی پر ڈھوروں کو پانی پلا رہی تھی دوسری طرف میں نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ بھی پانی پلا رہا ہے۔ مجھے اپنے بڑے کا شبہ ہوا آوازیں دیں مگر اس تک نہ پہونچیں تو جانور چھوڑ کر آگے بڑھی پاس پہونچی تو وہ میرا بڑا بچہ ہی تھا اور

کب سے بیٹھا تاک لگا رہا تھا میری آنکھ ادھر ہوتے ہی روٹیوں کی تہی کی تہی لے چلا میں اور خوبن بڑا اور چھوٹا بہتیرا چیخے اور چلائے مگر وہ کمبخت کیا چھوڑنے والا تھا درخت پر چڑھ گیا۔ میں نے سوچا کہ چٹیل میدان میں صرف یہ ایک درخت ہے باقی آس پاس کوئی درخت نہیں کب تک نہ اُترے گا اور کتنی کھائے گا ہم چاروں نے اسکو پتھر مارنے شروع کیے مگر وہ بھی ایسا چمچڑ ہو کر بیٹھا اور روٹیاں چھاتی سے لگائیں کہ پتھر پہ پتھر پڑ رہے تھے لیکن روٹی نہ چھوڑتا تھا خوبن کا ایک پتھر کھوپڑی پر ایسا لگا کہ بھنا گیا اور سر سہلانے لگا روٹیاں نیچے گریں تو ہم نے اُٹھالیں اور کہا تے بیٹھے دن اسی طرح ہم نے گذارا شام کو تھوڑی سی روٹیاں اور پکالیں اور آگے بڑھے۔

سڑک پر پہونچے تو پربت نگر کی ایک بڑھیا کبڑی چلی جا رہی تھی ہم کو دیکھ کر بہت پھیلی اور کہنے لگی ابھی گاؤں کے لوگوں کو بلا کر تم کو پکڑواتی ہوں میلوں کی چوری کی اور یہاں بھاگ کر آئے میں نے جتنی اس کی خوشامد کی نامراد اتنی ہی سر پر چڑھی اور لگی غل مچانے آخر خوبن نے سر کے بال پکڑ کر کہا آواز نکالی تو جان سے مار ڈالوں گی یہ کہہ دونوں ہاتھ خوبن نے پکڑے اور ایک پاؤں بڑے نے اور ایک چھوٹے نے ڈنڈا ڈولی بنا کر خوبن اسکو جنگل میں لے چلیں مجھے تو خبر بھی نہ تھی چار پانچ گز گہری ایک کھو یہاں بی خوبن نے دیکھ لی تھی وہاں پہونچکر لگی بڑھیا ہاتھ جوڑنے اور سر جھکانے کہ رحم کرو اور چھوڑ دو میں تو شاید چھوڑ دیتی مگر لڑکے راضی ہوئے نہ خوبن اور تینوں نے ملکر اس مردود کو پھینک دیا خدا بہتر جانتا ہے کہ چوٹ کہاں کہاں لگی مگر خوبن نے کہدیا تھا کہ اگر رات تک

کر رہی تھی کہ پربت نگر کا نمبردار آن پہونچا اور بگڑ کر کہنے لگا "چھورے کا اچار ڈالا ہے" ہمارے چودھری نے کہا ارے دیا کرو تو چھورے آئے ہیں کال چلے جائیں گے" بات بڑھ گئی اور اس نے کہا میں ابھی لیکر جاؤنگا ہمارے چودھری کو بھی ضد آگئی اور اس نے قسم کھائی کہ کال بھیجوں گا لیکن بارہ بجے رات کے پربت نگر والے گئے اور یہ کہہ گئے کہ صبح خون خرابے ہونگے ہمارے چودھری نے کہا کہ تو دونو بچوں کو لے راتوں رات بھاگ جا، صبح میں جو کچھ ہوگا دیکھ لوں گا میری تو جان میں جان آگئی مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ خوبن مریں میں نے اسی وقت چھوٹے کو پکایا کہ جاکر خوبن کو چپکے سے لا، بڑی جان جوکھوں کا کام تھا اور میرا ہی دل گردہ تھا کہ میں نے جلتی آگ میں بچہ کو ڈال دیا مگر خدا ساتھ تھا کام بن گیا اور بی خوبن آگئیں اس وقت ہمارے چودھری نے تھوڑا سا آٹا اور پیاز کی گٹھیاں ساتھ کیں اور کہا جاؤ بھاگ جاؤ،

ایک یا دو بجے ہونگے کہ ہم چاروں وہاں سے نکلے خدا کی قدرت کے قربان جایئے رات چاندنی تھی، صبح ہوتے ہم کسی گاؤں میں پہونچے اور لوگوں کی آنکھ بچاکر ایک باغ میں گھس گئے، خوبن نے کہا باغ میں ٹھہرنا ٹھیک نہیں یہاں لوگ آئیں گے الگ چلی چلو ہم نے کنواں تو بھانپ لیا اور آگے بڑھ کر ایک بڑ کے نیچے ڈیرا جمایا آٹا ہمارے ساتھ تھا پانی ایک تسلے میں بھر لیا تھا چکنے پتھر پر آٹا گوندھا اور دیا سلائی سے آگ سلگا کر موٹے موٹے روٹ ڈالے دوپہر سے پہلے ہی پہلے روٹیاں تیار ہوگئیں اور کھانے بیٹھے۔

اب ایک مزے کی بات سنو ایک جگادری بندر خدا معلوم

شہر کی جو کیفیت دیکھی کلیجہ پر گھونسے لگ رہے تھے جدھر نظر جاتی تھی سنسان اور جس چیز کو دیکھتی تھی اُجڑی ہوئی حضور رانہ ہو چکے تھے اس خیال نے تمام اُمیدوں کا خاتمہ کر دیا اور دل زندگی سے سیر ہو گیا مگر جو کچھ گذری خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس طرح گذری۔

یہاں تک بیان کرنے کے بعد شہزادی قمر آرا بیگم کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے انکے آنسوؤں نے شمع جھلملا دی اوپر نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو آسمان کروٹ لے رہا تھا اور تارے دامن شب سے جدا ہو رہے تھے۔

بیگم نے اپنے پھولوں کی پسٹ سے مجلس کو مست کیا اور کہا بیویوں شمع جھلملا گئی اور پھول ٹھٹھر اگئے رات ختم ہوئی۔

"ہمیشہ رہے نام اللہ کا"

شہزادیوں کا نالہ ختم ہو چکا، اور وہ رات جس نے مدتوں کے بچھڑے ملوائے، کبھی کی رخصت ہوئی، یہ متبرک صورتیں جنہوں نے جہاں آباد اور اس کے حکمراں پر فاتحہ کے پھول چڑھائے، میرے سامنے ایک ایک کر کے آ بیٹھی ہیں، شاداب پھولوں کا یہ گلدستہ، جس کی خوشبو نے دماغ معطر کیے، دلی، اور بہادر شاہ کو یہ رونے والے جن کی آنکھوں نے بیلے میں موتی برسائے، میرے روبرو فنا ہوئے، بیلے کے پڑھنے والے، اس مضمون کو کہانی سمجھیں، یا قصہ، مگر میرے دل سے پوچھو کلیجہ کے ٹکڑے اُڑتے ہیں جب وہ سماں یاد آتا ہے، جس وقت عالم خیال وہ صورتیں سامنے لاتا ہے، اور حافظہ مٹنے والی، مورتیں سامنے لا کھڑی کرتا ہے تو دل وحشی ٹکریں مارتا ہے، وہ رات جس کے ہر لمحہ میں، صداقت، و انسانیت کے

آواز نکالی تو ارے پتھروں کے بھرکس کر دونگی۔

اب ہم بھاگم بھاگ چلے اور دم بھر کو کہیں نہ ٹھکے صبح ہم کو شاید پانی پت میں ہوئی یہاں پہونچکر ہماری جان میں جان آگئی اور ہم نے جنگل ہی میں بسیرا لیا۔

ہم کو یہاں آکر معلوم ہوا کہ اب خدا کے فضل سے شہر میں امن جمی ہے اور یہاں کے نواب نے ایک محلسرا میں دلی کے بھاگے ہوئے آدمیوں کا یہ انتظام کر دیا ہے کہ وہ دو دو دن رہ کر جہاں جانا ہو چلے جائیں۔ ہم چاروں بندے بھی اس محلسرا میں دو دن رہے کھانے کا انتظام خاصا تھا لنگر کی روٹی جیسی ہوتی ہے ویسی تھی خیر خدا کا شکر ادا کیا اور پیٹ بھرا ہمکو یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں پناہ کا مقدمہ ہو رہا ہے اور نمکحراموں نے زور شور سے حضور کے خلاف گواہیاں دی ہیں اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا کہ چار دن کی زندگی کے واسطے کیسے کیسے کمبختوں نے اپنا منہ کالا کیا۔

مقدمہ کی خبر سنتے ہی ہوش جاتے رہے پر نہ تھے کہ اڑکر پہونچ جاتے دوسرے ہی دن ہمکو خبر لگ گئی کہ مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا اور سرکار رنگون بھیجدئے گئے اس خبر کے سنتے ہی پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور میں نے تو پکا ارادہ کر لیا کہ اب شہر نہ جاؤں گی مگر پردیس میں بھیک کب تک مانگتے اور کیا کرتے۔

پانی پت سے چلکر ہم بہرپور میں آئے ایک دن اور ایک رات یہاں رہکر آگے بڑھے تو بی خونن کو رستہ میں بخار چڑھ آیا ان کے لینے کے دینے پڑ گئے تیسرے دن ان کا بخار اترا تو گھر کا رخ کیا۔ یہاں پہونچکر

ہوئی اور بادشاہ کی مغفرت کی دُعا ہوئی اسوقت تماشائیوں نے جن میں عورتیں اور مرد دونو شامل تھے گوہر آرا بیگم سے درخواست کی کہ زیادہ اِنتظار ہمارے واسطے پہاڑ ہوگا۔ حضور کی جدائی نے ہمارے دِلوں میں زخم ڈال دیئے ہیں، رات نے ہمارے زخموں کا مداوا کیا اور آپنے ہمارے چکنا چور دلوں پر مرہم کے پھاہے رکھے۔ کل بسنت تھی آج میلہ ہو اور رات کو اسی میدان میں باقی داستان ختم کیجئے۔ کوٹلہ کے جانے میں زحمت ہوگی اور دِل کے ارمان دِل میں رہ جائیں گے۔ شام پکڑنی مشکل ہے۔ رحم کیجئے اور ایک دِن ہو یا دو دِن لگاتار رکھیئے۔"

اِس درخواست پر سخت اصرار ہوا اور جب یہ طے ہو گیا کہ "میلہ تین روز اور رہے گا تو لوگ خوشی کے مارے اُچھل پڑے اور دکانداروں نے اپنی دوکانوں کا اور سیلانیوں نے اپنے ڈیروں کا راستہ لیا۔

اُجڑا ہوا بیلہ۔ جہاں ہر طرف جھاڑ جھنکاڑ تھے، بیوہ کی طرح ایک دفعہ پھر دولہن بنا۔ جیسے عروس پر دِن ڈھلتے ہی افشاں چُنی جانے لگی۔ آج بھی بسنت کا وہی زور تھا اور قدرت بھی شہر والوں کے مجروح جذبات کی ہمنوائی کر رہی تھی خودرو پھولوں کی زردی نے میلہ کی شان دوبالا کر دی اور غروب آفتاب کے ساتھ ہی شمع نے اپنے آنسوؤں میں دِلی والوں کو آج پھر دَورِ گذشتہ کی تصویر دکھا دی۔

گوہری تمبو کل سے زیادہ آراستہ تھا اور خلقت اِس طرح ٹوٹ رہی تھی کہ بیٹھنے کو جگہ تھی نہ کھڑے ہونے کو مجبوراً چاندنی بنایا گیا اور تخت پر گوہر آرا بیگم غدر کی ماری شہزادیوں کو ساتھ لیکر بیٹھیں۔

خزانے دفن تھے، اپنے ساتھ بہت کچھ نہیں سب کچھ لے گئی، جہاں آباد اپنی رونق اور چہل پہل وداع کر چکا۔ جن گھروں سے محبت و ایثار کے چشمے پھوٹے، جن دہلیزوں نے حقانیت کے ڈنکے بجائے آج سنسان و خاموش ہیں، اور جن محلوں کی سرزمین سے، درسِ وفا کی آندھیاں اٹھی ہیں، وہاں اس وقت خاک اڑ رہی ہے۔

شہر کی بہت سی عمارتوں کے آثار کھنڈر بنے ہوئے ابھی تک نقشِ پا کا پتہ دے رہے ہیں مگر پھول والی بیگم کی صدا لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی۔" جو جہاں آباد کی فضا میں گونجی ہے اور جو اس رات کی شمع اور اس بزم کی عروس تھی مدتیں ہوئیں فنا ہو چکی۔ مگر اس کی لہک اب بھی میرے کانوں میں بس رہی ہے اور جب کبھی فراشخانہ کے سامنے سے گزرتا ہوں تو آنکھیں اس ٹیلے کو ڈھونڈھتی ہیں جہاں سے یہ صدا بلند ہوتی تھی اور چھبیوں کے پھول خاندان تیموریہ کی بدبخت بیگمات کے انقلاب کی داستان سناتے تھے۔

جس وقت زمین اور آسمان خاموش آنسوؤں میں رات کو وداع کر رہے تھے اس وقت کا درد انگیز منظر انسانی نظر بہت کم دیکھے گی۔ شمع کی روشنی اور تاروں کا اجالا دونو پھیکے پڑے، دنیا اپنے چہرے سے رات کا برقع سرکا رہی تھی آسمان کی سیاہی آہستہ آہستہ سپیدۂ صبح میں جذب ہوئی اور تیموری بیگمات کا یہ دستہ باد سحر کے جھونکوں سے کھلنے کے بجائے منتشر ہوا۔ جب صحبت شب کی یادگار مرجھائے ہوئے پان مرجھائے ہوئے پھول، بکھری ہوئی چھالیہ اور فرش کی سلوٹیں باقی رہ گئیں تو ایک متفقہ صدا بلند

اس نامراد کافر نے جو ستم توڑے ہیں فرعون اور نمرود نے بھی نہ توڑے ہونگے اس ناہنجار نے سینکڑوں بیگناہوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا میرے شوہر سے اسکو سدا کی لاگ ڈانٹ تھی اسی نے جھوٹی مخبری کی اور بیمار کو پکڑوا دیا، اس اندھیر کو دیکھو کہ گٹھیا کا بیمار جو چلنا پھرنا تو درکنار کھڑا تک نہیں ہو سکتا کیا لڑے گا اور کیا مارے گا مگر اندھیر نگری اور چوپٹ راج تھا شاباش ہے ان عقلوں پر جنہوں نے یقین کیا اور پھانسی کا حکم دیدیا مرزا بیچارے نے لاکھوں قسمیں کھائیں اور بہتیرا ہی کہا "میری تو دو نوٹانگیں رہی ہوئی ہیں" مگر کسی نے نہ سُنی۔ نیازو کمبخت کی خدائی تھی جسکو چاہا پستو اور کھٹمل کی طرح دم بھر میں مسل دیا، اس مردے کی صورت دیکھتے ہی میرے ہوش اُڑ گئے تھے کہ دیکھئے جوانا مرگ کس کی شامت لاتا ہے کہ اس نے چکنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا "مرزا جی جارہے ہیں ملنا ہے تو مل لو اور چار پانچ گھنٹے کے مہمان ہیں اماجان اندر بیٹھی ختم پڑھ رہی تھیں سنتے ہی دہم ہوگئیں اور باہر نکل کر کہا" الٰہی مردے نیازو تجھے ڈامنی گھڑی کی۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے تو سمجھے غریبوں کا صبر خالی جائے یہ ہونا نہیں خدا اور اسکا رسول چاہے تو تن بدن میں کوڑہ ٹپکے گی اور رنجہ رنجہ کر مرے گا۔

وہ ناشاد تو چلتا پھرتا سینکڑوں گھر اُجڑوائے مرزا بیچارے کس گنتی میں تھے یہ کہہ سیدھا ہو لیا کہ "کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرتے" اور ہماری آنکھوں میں دُنیا اندھیر ہوگئی ان دنوں پھانسیاں دو جگہ ہوتی تھیں کوتوالی چبوترے پر اور جمنا کی ریتی میں۔ ہم دونو ساس بہوئیں پہلے کوتوالی گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ شام کو پانچ بجے دریا پر باڑھ ماری جائے گی یہاں سے اُدھر گئے تو سینکڑوں بدنصیبیں کھڑی اور بیٹھی کلیجوں پر گھونسے مار رہی تھیں ہمکریں

جلسہ عشا کے بعد شروع ہو گیا سب سے پہلے پھول والی بیگم نے اپنے چھبے کھولے موتیا کی بھینی بھینی خوشبو نے دماغ معطر کر دیئے اور تنبو میں یہ صدا گونجی۔

"لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

پیسہ پیسہ اور دو دو پیسے کے پھول بکنے شروع ہوئے اِدھر گاہکوں کی آواز تھی کہ "ایک پیسہ کے اور" "دو پیسہ کے اور" اُدھر بیگم ہنک رہی تھی۔

"کٹورا سے پھول موتیا کے" "موتیا ہے گجراتی"

چوٹی دار دو چھبے آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گئے تو گوہر آرا بیگم نے کہا "بس بوا بیگم اب ایک چھبا رہنے دو دیر ہو رہی ہے" شمع گھومنی شروع ہوئی کچھ پڑھنے پڑھانے کو نہیں بلکہ مقرر کی صورت دکھانے کو سب سے پہلے گوہر آرا نے اپنے ہاتھ سے شمع قیصر جہاں بیگم کے سامنے رکھی اور کہا "ہاں بیگم اپنی بپتا سنائیے۔ لوگ مشتاق ہیں" قیصر جہاں بیگم نے پان کھایا اور مجمع کی طرف دیکھ کر کہا:۔

(۴) شہزادی قیصر جہاں بیگم کی آپ بیتی

دلی والوں ہاتھ اُٹھا کر دعا کرو" الٰہی جہاں پناہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو" دعا ہو چکی تو قیصر جہاں بیگم نے کہا۔

"نیاز علی مخبر جسکا دور دورہ تھا اور سچ پوچھو تو موت کی کل جس کے ہاتھ میں تھی میرے شوہر مرزا سکندر کی پھانسی کا حکم مجھکو دوپہر ہی کو سنا چکا تھا۔

کانپنے لگا۔ آگے بڑھ کر میں نے اس کے پٹھے پکڑ لیے اور کہا "موئے پاجی تیری یہ ہستی کہ اس منہ سے نکاح کا نام لے" مگر کجا میں عورت اور کجا وہ مرد جھٹکا دے ہنستا ہوا سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اسی میں خیر ہے نہیں تو دو دو دانوں کو ترسو گی ادب و دب کو پھونکدو اور آج ہی نکاح کر لو" میرے بدن میں آگ لگ رہی تھی اور وہ ناشاد ہنسے جا رہا تھا ایک کی ہزار سنائیں مگر اللہ رے بے غیرتی نوسو کی بندی کے ڈنڑ پر لکھتی۔ جوانا مرگ پر اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ شام ہو چلی تھی کہنے لگا اس جنگل میں کوئی شیر بھیڑیا دیو کھا جائے گا کب تک بیٹھو گی کیا کھاؤ گی اور کہاں سوؤ گی۔ میں کیا بتاؤں کہ کیا گذر رہی تھی جی چاہتا تھا موئے کو کچا کھا جاؤں آگے بڑھ کر پھر پکڑا اور ایک دو ہتڑ پورے زور سے مارا مگر اس ناشاد پر کیا اثر ہوتا میں اسکو کوس رہی تھی کہ پیچھے سے کسی نے آکر کولی بھری ہاتھ اس نے پکڑے اور پاؤں کمبخت نیاز دنے اور مجھکو ڈنڈا ڈولی کرکے چلے خدا ہی جانتا ہے آدھی تھی یا پچھلا یہ دونو ملعون مجھکو ایک ٹوٹے ہوئے برج میں لائے اور نیاز دنے چاقو نکال کر کہا "اگر آواز نکالی تو یہاں سے مار ڈالوں گا"

اب اور مصیبت یہ آئی کہ سپاہی مرا تو قاضی بنا اور نیاز دمرزا دولہا قاضی جی ہندو تھے جنکو ایک حرف خطبہ نہ آتا تھا انہوں نے نکاح پڑھایا مجھپر جو بپتا پڑی خدا دشمن پر نہ ڈالے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں جی چاہتا تھا کہ ان نابکاروں کو ایسی جگہ ماروں جہاں پانی تک نصیب نہ ہو مگر اب تو میں خود ہی مر رہی تھی۔ مجھے اس وقت وہ سماں یاد آرہا تھا۔ جب بڑے سننے کے پیدا ہونے پر جہاں پناہ نے خود عقیقہ کیا تھا۔ چھٹی کے روز گجر دم تمام جہام رکھا اور میں ہوائی محل میں جہاں پناہ کے ہاں پہنچ گئی دن بھر کی چہل پہل

مار مار شام پکڑی عصر کے بعد بے قصوروں کا ٹانڈا آیا مرزا کو دیکھ کر اماجان نے ایک چیخ ماری اور چاروں طرف کہرام مچ گیا ایک فرنگی نے آکر سب کو قطار میں کھڑا کیا اور سپاہیوں نے بندوقیں چھوڑ دیں۔ بیچارے اللہ مارے تڑپ تڑپ کر چلتے ہوئے اور جہاں پناہ کا فرمانا صحیح ہو گیا۔

"نہ کفن ملا نہ وہ دفن ہوئے۔ نہ ہے فاتحہ نہ مزار ہے"

اماجان مرزا کے گرتے ہی پکیں وہ ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ گولی کنپٹی میں لگی تھی اور خون بہہ رہا تھا۔ انہوں نے سر اٹھا کر گود میں لیا اور پیار کرنے لگیں کہ اسی اثنا میں نیاز نے لاش چھین لی اور دھکا دیکر کہا "بڑھیا آگے بڑھ" لاشیں ہتھکڑیوں اور چاروں نے اٹھا کر دریا میں پھینکدیں اور ہم سب جدھر جس کا منہ اٹھا روتے پیٹتے چلے گئے۔ اماجان بارہ مہینے کی بیمار تھیں اور جب سے انہوں نے مرزا کو گھٹیا ہوئی تھی دن دن بھر اور رات رات بھر وہاں روتی تھیں۔ عمر بھر کی کمائی یہ ہی ایک دم تھا۔ سنبھل نہ سکیں۔ میں انکو لیے ایک درخت کے نیچے بیٹھی تھی کہ انکو زور کی کھانسی اٹھی اور کھانسی کے ساتھ ہی سانس اکھڑ گیا اور انہوں نے پانی مانگا۔ وہاں پانی کہاں میں دریا کی طرف دوڑی چلو میں پانی لائی مگر وہ میرے پہونچنے سے پہلے ہی اللہ کی پیاری ہو چکی تھیں۔

میرا کلیجہ منہ کو آرہا تھا اور اکیلی بیٹھی انکی صورت دیکھ رہی تھی کہ نیاز دے نے پیچھے سے آکر کہا "ارے بڑھیا بھی لڑک گئی" اس کے ساتھ ایک سپاہی تھا دونوں نے مردے کو لیجا کر دریا میں پھینک دیا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ نمکحرام نیاز و جو اماجان کا غلام تھا طوطے کی طرح دیدے بدل اپنی بستی بہوں جائے گا رو رہی تھی کہ وہ ہنستا ہوا آیا اور کہا "اب تم مجھ سے نکاح کر لو" میرے سر سے جو گئی تو تلوؤں سے نکل گئی بدن بیری کی طرح تھر تھر

ہوں دو گھونٹ پانی تو لاؤ" اتنا سُنتے ہی اس ناشدنی کی تو جان میں جان آگئی وہ پانی کو گیا اور میں بُرج سے باہر نکل ایک طرف کو ہولی مجھے خبر نہیں کہ کہاں ہوں اور کدھر جا رہی ہوں صبح ہوئی تو ایک پلیا کے اندر گھسی اور دن وہیں ٹیر کیا۔ کربلا کا مزا آگیا۔ دانہ نہ پانی دِن بھی قیامت کا تہا کہ ختم ہی نہ ہوا خدا خدا کر کے شام ہوئی تو پھر جنگل کا رستہ لیا اور رات بھر بھاگتی رہی صبح ہوتے دکھنی پورے میں پہونچی اب مجھ میں بات کرنے کی ہمّت نہ تھی خدا کی قدرت کے قربان جایئے ایک بڈھا مسلمان روٹیاں اور گڑ بانٹ رہا تہا اس نے مجھکو دو روٹیاں اور گڑ کی ڈلی دی مجھے تو وہ امرت تھی ہاتھوں ہاتھ لی اور ایسی گری کہ دم بھر میں دو نو روٹیاں چٹ کیں اسکا بچہ بیمار تہا مجھکو بھوکا دیکھہ کر دو اور دیں وہ کہا کر خدا کا شکر کیا اور اس سے کہا "بابا تھوڑا سا پانی بھی پلوا دو" وہ اپنے ساتھہ لے گیا اور پانی پلوا کر کہا یہ بچہ بیمار ہے اس کے واسطے دُعا کر۔ اے مولا نثار جاؤں مجھہ ناچیز بندی کی دُعا کیا مگر اس نے ایسی سُنی کہ بچہ رات ہی کو اُٹھہ بیٹھا اب تو میری وہ آؤ بھگت ہوئی کہ کیا کہوں سارا گھر پوجنے لگا۔ جانے کا نام لیتی جب ہی بڈھا اور اس کی بیوی روتے، بچے بھی مجھہ سے ایسے ہلے کہ دم بھر کو پیچھا نہ چھوڑتے اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ میرا بھی دِل لگ گیا۔ جب حضور کے رنگون جانے کی خبر سُنی تو میری ہچکی بندہ گئی اور آنے کا ارادہ کیا۔ بڈھے نے مجھے خود یہاں تک پہونچایا یہاں آکر سُنا کہ اِس نامراد نیا زدی کٹھیا کٹ رہی ہے اور پیٹھ میں اڈٹ نکلا ہے میں بھی اس کے ہاں گئی ناہنجار کی ایک چیخ آسمان تھی اور ایک زمین شاید دس گیارہ روز اِس طرح تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

وہ وقت گذر گیا اور یہ وقت بھی گذر جائے گا مگر اب بھی جب کبھی

مردوں اور عورتوں کا غل غپاڑہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی شام کو حضور عالم نے آکر فرمایا۔

"زچہ کو تارے دکھاؤ"

میرے اور ننھے کے ماتھے پر کارچوبی پٹیاں جو اماں جان نے بھیجی تھیں باندھی گئیں یہ پٹیاں میری بڑی نند نے خدا ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے باندھی تھیں ان کو سات اشرفیاں نیگ کی ملیں۔ دو بہادیاں کو بلا کر چھپر کھٹ میں بٹھایا اور تیر کمان انکے ہاتھ میں دی کہ "لو میاں مرگ مارو" مرزا صاحب نے ایک خالی تیر چھپر کھٹ کی چھتری پر چھوڑ دیا اور میں سب کے کہنے سے تین لاتیں چھپر کھٹ کو مار کر کھڑی ہوئی اور باہر آکر آسمان کو دیکھا دائی نے اسوقت آٹے کی چار چوکیں بنائیں ایک بڑی سی تھالی پر گندھا ہوا آٹا رکھ کر اس میں چار جگہ موم بتی رکھی اور بچہ کو میری گود میں دیا دو عورتوں نے شمع لی ایک نے قرآن مجید کا سایہ کیا اور دو نے تلواروں کا کہ بچہ جن بھوت ہر بلا سے محفوظ رہے۔ میں تارے دیکھ رہی تھی۔ بیویاں رال اڑا رہی تھیں اور میر اسمٰعیل لہک لہک کر گا رہی تھیں۔ اتفاق سے اس روز ایک انگریز قلعہ میں آیا تھا وہ بھی یہاں پناہ کا مہمان ہوا اور سرکار کی اجازت سے اس نے اس وقت کی تصویر اتاری ایک تصویر سرکار نے مجھکو بھی دی تھی اور وہ ابتک میرے پاس موجود ہے۔ میری نظروں میں اسوقت دو سماں پھر رہا تھا اور جی چاہتا تھا کہ دونوں بدمعاشوں کو زمین میں زندہ گاڑ دوں۔ خیر یہ بات سمجھ میں آئی کہ نرمی اور دھوکے سے کام لوں۔ تقدیر سے سپاہی بھاگوان ایسا بے خبر ہوا کہ خراٹوں کی آواز برج سے باہر جانے لگی۔ میں نے نیاز دے کہا کہ "جو ہونا تھا وہ ہوگیا اب خدا انجام بہ خیر کرے پیاس کے مارے مر رہی

میں کٹ جائیں گے۔ سب سے پہلے حضور کی مغفرت کے لئے ہاتھ اُٹھاؤ"
برجیس دولہن کی زبان سے ادھر حضور کا نام نکلا ادھر آنکھ سے آنسو نکلے اور ان کے ساتھ ہی مجمع پر رقت طاری ہوگئی عورتیں اور مرد سب اپنے بادشاہ کی یاد میں رو رہے تھے۔

جب دُعا ختم ہو چکی تو گوہر آرا بیگم کے تقاضے پر برجیس دولہن نے کہا:-

"جب گولیوں کی باڑ اور پھانسیوں کی قطار کا زور ہو رہا تھا تو میں بدنصیب شہر ہی میں تھی۔ ننھے دولھا کو موتیا جھرا نکل رہا تھا۔ گھر میں صرف ہم دو میاں بیوی ہی تھے اور کوئی اتنا نہ تھا کہ دوائی ٹھنڈائی تو درکنار دو گھونٹ پانی ہی کے لادے۔ پکڑا دھکڑی کا یہ عالم کہ جو باہر نکلا پھر نہ پلٹا۔ صبح کو گیا تو دوپہر کو اور دوپہر کو نکلا تو شام کو پھانسی کی خبر آگئی۔ ہماری گلی میں کھاری پانی کا کنواں تھا رات کو میں چپکے سے جاگی اور دو بدھنے بھر لائی خدا بھلا کرے بیچارے احمد عطار کا کہ اس نے مجھکو خاکسیر اور عناب کے شربت کی ایک بوتل دیدی تھی۔ دونوں وقت بیمار کو وہی پلا دیتی دوسرے تیسرے وقت خالہ کبریٰ کچھ چنے دے دیتیں۔ دہی کھا کر پانی پی لیتی۔ مہینہ سوا مہینہ اسی طرح کیا مگر ننھے دولھا کا بخار نہ اُترا۔ صبح کو ہلکا ہو جاتا مگر دوپہر سے پہلے اور چڑھتا ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئی تھیں مزاج ایسا چڑچڑا ہو گیا تھا کہ بات بات پر بگڑتے تھے۔ میرا محلہ خانم کے بازار سے ملا ہوا تھا۔ اور ابھی تک اللہ کا فضل تھا کہ حکیم باورلے کے داماد نے ایک دن

اس برج والے نکاح کا خیال آتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ نیازو مردے کی بوٹیاں چبالوں +

قیصر جہاں بیگم کی داستان ختم ہوئی تو آدھی رات ختم ہو چکی تھی نیازو مخبر پر چاروں طرف سے لعنت کے نعرے پڑنے لگے آخر گوہر آرا بیگم نے کہا "بیویوں وہ مر گیا اب اس کو برا کہنے سے کیا فائدہ اس نے جیسی کی بھگت رہا ہوگا"

جب مجمع خاموش ہو گیا تو پھر وہی صدا گونجی "پٹیلیں آرہی ہیں موتیا کی" بیگم کی سریلی آواز نے دلوں کی کلفت زائل کر دی ادھر پھولوں کی مہک، ادھر تیموری بلبل کا نغمہ، آدھی رات کا وقت، سناٹے کے عالم میں دلوں کی عجیب کیفیت ہو گئی صاحب بزم یعنی گوہر آرا بیگم نے اپنی چچا زاد بہن برجیس دولہن کے سامنے شمع رکھی اور کہا:۔

"بیگم اب مجلس آپ کی داستان سننے کی مشتاق ہے آپ جہاں پناہ کو سب سے زیادہ عزیز تھیں اور حضور اپنی آنکھ سے دم بھر کو اوجھل نہ فرماتے تھے۔ آپ اپنی بپتا سنائیے"

(۵) شہزادی برجیس دولہن کی آپ بیتی

برجیس دولہن نے ادھر ادھر دیکھ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا "بیویوں حضور ہم سے جدا ہو گئے اور سات سمندر پار دنیا سے رخصت ہوئے ہمکو انکا آخری دیدار نصیب نہ ہوا زندگی کے جو تھوڑے دن باقی ہیں وہ اسی حسرت

جان میں جان آگئی اور اس بُری طرح ٹوٹے کہ کنگلوں کو بہی مات کیا۔
رات ہم نے وہیں گذاری اور صبح ہم پانچوں آگے بڑھے۔

دوپہر تک تو ہم راستہ پر چلے۔ بیمار کی وجہ سے آگے نہ چلا گیا۔ باری باری کرکے تہوڑی تہوڑی دور سب لیجا رہے تھے۔ دہوپ تیز ہوگئی تو ہمارے تھکنے سے پہلے ہی بیمار کی حالت ردی ہوگئی آنکہیں بند ہوگئیں اور سانس نام کو رہ گیا۔ خالہ کبریٰ نے دیکہہ کر کہا "ارے خدا کے لئے ٹھیرو ذرا ننھے دولہا کو تو دیکھو کیا ہو رہا ہے۔" میں آگے تھی ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے کلیجہ میں گھونسا مارا۔ جان نکل گئی۔ ٹھٹکی تو کیا دیکھتی ہوں کہ منکا تک ڈھل گیا ہے۔ کیکر کے کمبخت درخت کے نیچے جہاں کانٹے ہی کانٹے پڑے تھے ٹھیرے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے زمین صاف کی انکو لٹایا۔ دوپٹوں سے پنکھے جھلے تو خالہ نے کہا کہ پھیپھڑیاں بند ہی ہوئی ہیں۔ دو گھونٹ پانی کے ہوں تو حلق تر ہو جائے۔ شاید آنکھ کھولیں۔ مگر وہاں پانی کہاں۔ میں تو خدا کی قدرت کی اس دن ایسی قائل ہوئی کہ عمر بھر یاد رکھوں گی۔ رو رو کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی کہ سامنے سے دو گورے کندہوں پر بندوق رکھے آتے دکہائی دئے ہم سب کی روح فنا ہوگئی۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا۔ ہم نے آنکہیں بند کرلیں۔ اور کلمہ درود پڑہنے لگے کہ اب یہ گولی ماردیں گے۔ وضو بھی نصیب نہ ہوا۔ چہپنے کی کہیں جگہ نہیں بچنے کا موقعہ نہیں۔ کھڑے کانپ رہے تھے کہ گورے سر پر آپہونچے اور پوچہا۔ ہرن ہرن ہرن آیا ہرن آیا ہرن آیا۔ خالہ کبرا نے ہمت کی اور کہا "نہیں صاحب ہمنے نہیں دیکھا۔ یہ سنکر انہوں نے بیمار کو دیکہا اور پانی کی پھاگل دیکر کہا پانی۔ پانی" پانی ...

نشہ میں کسی گورے کی ٹوپی اُچھالی اور اس کی بیم کو پکڑ لیا۔ اب کیا تھا شام تک تو چاروں طرف گورے ہی گورے تھے۔ گھروں میں گھس گھس کر مردوں کو پکڑا اور مارا لیکن آدھی رات کو جا کر امی جمی ہوئی۔ میں کنڈی لگائے جانماز پر بیٹھی اللہ اللہ کر رہی تھی اور ست ہی ست پر جان تھی۔ پچھلا پہر ہوگا کہ خالہ کبریٰ نے آواز دی۔ مَیں نے دروازہ کھولا وہ اندر آئیں اور کہا "جس طرح ہو ابھی یہاں سے بھاگو صبح کو سارا محلہ توپ سے اڑے گا۔"

مَیں سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور کہا "بھلا خالہ میں کس طرح بھاگ سکتی ہوں ننھے دولہا کو کیونکر لوں۔ یہ نہ چل سکتے ہیں نہ اُٹھ سکتے ہیں ان میں رکھا ہی کیا ہے ہڈیاں ہی رہ گئی ہیں۔" وہ بولیں "دیر کا موقعہ نہیں جس طرح ہو اُٹھاؤ" سب پکڑ کرلے چلیں گے میں تو جانوں تین بجے ہونگے کہ ہم سب بھرا گھر چھوڑ چھاڑ شہر سے نکلے۔ بیمار کو ڈنڈا ڈولی کیا اور ایک طرف کو چلے۔ صبح ہم کو نظام الدین میں ہوئی مگر ہم آگے بڑھے گئے۔ دِن بھر کیا گذری رستہ کس طرح کٹا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کھیل کا دانہ بھی اُڑ کر منہ میں نہ گیا پیاس کے مارے جان نکلی جاتی تھی مگر پانی کا پتہ نہ تھا کنوئیں تھے مگر رسی تھی نہ ڈول۔ شام کو خواجہ صاحب کے قریب ہم کاکا گاؤں میں پہنچے پنہاریاں ایک کنوئیں میں پانی بھر رہی تھیں وہاں ٹھہر کر پانی پیا اور بیمار کو بھی پلایا۔ چاند نکل آیا تھا اور ہم بڑ کے نیچے پڑے تھے کہ جاٹ آئے اور دونو مردوں کو پکڑ کرلے گئے میں اور خالہ کبریٰ رو گئے۔ سوچ رہے تھے کہ کیا کریں۔ اتنے میں دونو مرد خالہ کے میاں اور لڑکا خوش خوش آئے خشکے کا بھرا ہوا تھال شکر اور دہی پڑا ہوا ان کے پاس تھا دیکھ کر

میرے بیمار نئے دولہا جن کی حالت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ بچنے کی اُمید کیا گھڑی ساعت پر تھے۔ بغیر دوائی ٹھنڈائی کے ایسے چھٹے ہوئے کہ اچنبا ہو گیا۔ بخار اُتر گیا اور جنگل کی ہوا اور پانی نے وہ طاقت دی کہ سب دنگ رہ گئے۔

بیچارے امرو نے ہمارے واسطے نہر کے کنارے ایک جھونپڑی ڈالدی۔ وہ دونرما بیٹے بھی وہیں آ گئے۔ یہاں چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ کوئی سات آٹھ نیم کے درخت تھے اور دو تین املی اور جامن کے۔ ہم یہاں خوش تھے۔ مگر ایک بات کا مجھ پر بڑا بوجھ تھا۔ کہ اس غریب سے رشتہ نہ ناتا۔ مفت کی روٹیاں توڑ رہے ہیں۔ خالہ نے ایک دن اس سے کہا کہ تم مجھکو تھوڑا ریشم اور ایک کرتہ کی ململ لا دو۔ وہ جا کر لے آیا تو انہوں نے تین چار ہی دن میں ایسا کاڑھا کہ وہ تو وہ جس نے دیکھا وہی تعریف کرنے لگا۔ اب تو یہ کیفیت ہوئی کہ چاروں طرف سے لوگ آنے لگے اور ہماری کڑھائی کی دُور دُور خبر پہونچ گئی امرو نے خرچ لینے سے اِنکار کر دیا تو ہم نے یہ ترکیب کی کہ اس کا کپڑا مفت کاڑھ دیتے تھے اور وہ اسکو بیچکر لاتا تو دام نہ لیتے اس طرح اس کا خرچ بھی پورا ہوتا اور ہمارا بھی۔

اب ہماری گذران خوب ہونے لگی۔ معلوم ہوا کہ شہر یہاں سے بیس اکیس کوس ہے اور امی جی بھی ہو گئی ہے۔ مگر دل کچھ ایسے مر گئے تھے کہ جانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ دم دم کی خبریں آتے جاتوں سے معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ جس کو پوچھا یہ ہی پتہ چلا کہ پھانسی ہو گئی یا بھاگ گیا۔ چچا حشمت میں جان پڑی تھی کئی آدمیوں سے کہا کہ انکی خبر لاؤ۔ مگر کسی کو گھر ہی نہیں ملا۔ آخر ایک دن ننھے دولہا ہی دِل کڑا کر کے پہونچے اپلوں کی گاڑیاں شہر جا رہی تھیں اور

ہم لرزتے رہے۔ اور دونوں گورے پانی دے چلتے ہوئے۔ ہم نے جس طرح ہوا۔ چلو میں پانی لیکر بیمار کے حلق میں ٹپکایا۔ اور اس نے ذرا آنکھ کھولی تو جان میں جان آگئی۔ خدا اپنی قدرت کے کیا تماشے دکھاتا ہے۔ ملک الموت کو رحمت کا فرشتہ بنا دیا۔ بھوک کے مارے ہم بلبلا رہے تھے کہ ہمارے سامنے ایک زخمی ہرن لنگڑاتا ہوا آیا اور گر پڑا۔ خالہ نے اسے پکڑ لیا تو سامنے سے ایک گڈریا بکریاں چراتا آیا اور کہنے لگا "یہ زخمی ہے۔ مرجائے گا۔ لاؤ ذبح کر دوں" ہم نے کہا "تو مسلمان ہے" اس نے کلمہ پڑھا۔ ہم نے کہا "بسم اللہ" اس نے چاقو نکال کر ذبح کیا۔ ہم کو خبر تھی نہیں۔ سامنے ہی گاؤں تھا۔ بھاگا ہوا گیا اور سب چیزیں لے آیا۔ اسی نے کھال اُتاری۔ اسی نے آگ جلائی۔ اسی نے ہنڈیا دی وہ ہمارا مہمان ہوا اور ہم اس کے مہمان ہوئے سب نے ملکر خوب کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ گڈریے کا یہ لڑکا اٹھارہ بیس برس کا ہوگا۔ گاؤں کا رہنے والا جس کو شہر کی آب و ہوا چھو تک نہ گئی۔ کیا نیک اور شریف قلعہ کے ایک لڑکے کو یہ بات نصیب نہ تھی۔ ہم کھا چکے تو چار گھڑی دن باقی تھا۔ ارادہ کیا کہ آگے بڑھیں۔ مگر اس نے نہ جانے دیا۔ مجھے اس کے بھولپن پر بہت ہنسی آئی کہنے لگا "میرا چھوٹا سا گھر ہے۔ ہم وہاں بیٹے اس میں رہتے ہیں۔ تم لوگ رات کو مزے سے سوؤ میں بھی رہونگا" شام کو وہ اپنی ماں کو بھی لے آیا۔ اور دو گھڑے پانی بھی بھر دئے ایسی محبت کے لوگ میں نے تو عمر بھر نہیں دیکھے۔ جب ہم جانے کا نام لیتے دونوں کا منہ بند ہو جاتا اور کہتا کہ کمی اور ہاجرا خدا کا دیا بہت ہے یہیں رہو اور دیکھو اللہ سب مشکل آسان کرے گا۔

کسک اب تک دل میں موجود ہے زندگی کی بہت سی بہاریں دیکھیں اور ماتم کیے مگر بیلہ میں جو میلہ دیکھ لیا اب وہ سماں نظر نہ آئے گا۔ بدبخت شہزادیوں کی صدا سفید ڈاڑھیوں پر آنسوؤں کے موتی لٹا اور خانماں برباد بیبیوں کی داستان جوانوں کے کلیجے توڑ رہی تھی جس طرح موسم برسات میں پوروا ہوا کے ساتھ جسم کی پرانی چوٹیں ابھرتی ہیں اسی طرح جب کبھی بیلے میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو وہ رات اور وہ صورتیں آنکھ کے سامنے آجاتی ہیں مگر بیلے والے خوش نصیب تھے کہ اپنے ساتھ بیلے کو بھی لے گئے اور آج اس کے گھنے اور درختوں اور جھاڑیوں کا جن کے دامن شہر آبادی کی تاریخ سے الامال تھے ایک ذرہ بھی موجود نہیں جو صحبت شب کا نشان دے اور حق یہ ہے کہ مکین و مکان سب فنا ہو گئے اور مجھے تو اب کوئی صورت بھی ایسی نظر نہیں آتی جس نے اس بزم کی شمع جھلملاتی دیکھی ہو۔

بیلے میں میلے کی آخری یادگار پھول والی بیگم اس کے بعد بیس سال کے قریب زندہ رہی۔ کمر جھک گئی تھی اور دانت بھی ٹوٹ چکے تھے۔ مگر بڑیوں کے کٹڑہ میں جن دو کانوں کے پاس شاید اب ڈاک خانہ ہے اسکی آواز نے رات کے سناٹے میں مدتوں کہرام مچایا ہے میں اور میرے عزیز دوست شہزادہ مرزا محمد اشرف صاحب بی اے گورگانی بیگم کے مرض الموت میں عیادت کو گئے تھے کہ شاہان مغلیہ کی اس جیتی جاگتی تصویر کو آخری مرتبہ جی بھر کر دیکھ لیں۔ اس رات کے ذکر پر بیگم کے آنسو نکل پڑے آج بیگم اور مرزا دونوں شاہجہاں آباد سے کیا اس دنیا سے رخصت ہو چکے مگر بیگم کی زندگی اب بھی جب بیلے میں جاتا ہوں وہ اجڑا ہوا سماں سامنے لا کھڑا کرتی ہے۔

پھولوں کی مہک نے اور بیگم کی پکار نے کہ

ان کا چودھری امرو کا پھوپا تھا۔ وہ بھی ساتھ ہو لیا اور دو بجے سے یہ لوگ روانہ ہو گئے کہ نو دس بجے تک ڈنڈی پر پہونچ جائیں گے۔ اور سویرے ہی سویرے بیچ کھوچ بارہ ایک بجے چل کھڑے ہوئے رات کو کہیں گیارہ بجے گاڑیاں روئیں تو ننھے دولہا نے کہا کہ شہر تو آدھے سے زیادہ کھد گیا۔ گھروں کا پتہ ہے۔ نہ گھر والوں کا۔ چچا حشمت کا گھر تو باقی ہے مگر ان کا پتہ نہیں۔ برابر میں ایک روئی والا رہتا ہے اس سے اتنا معلوم ہوا کہ بال بچوں کو لیکر کہیں نکل گئے۔ اب تک کوئی خبر نہیں کہ جیتے ہیں یا مر گئے۔ ہاں ایک مخبر نے یہ بھی کہا کہ ان کے چھوٹے لڑکے کو تو پھانسی ہو گئی۔ سنو تو میری گودیوں کا کھیلا ہوا تھا۔ سنتے ہی جان نکل گئی۔ روتے روتے ہچکی بند ہو گئی۔ شہر جانے کا اول تو ارادہ ہی نہ تھا۔ اور اگر تھوڑا بہت خیال کبھی بھولے بسرے آ بھی جاتا تھا تو اب بالکل ہی نفرت ہو گئی۔

برجیس دولہن اپنی داستان یہاں تک پہنچا کر پان کھانے کے واسطے اٹھیں تو گوہری تمبو میں بیگم کی وہی صدا پھر گونجی۔

"پٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

اتنا کہہ کر بیگم نے چھیبوں سے کپڑے اٹھائے تو تمبو خوشبو سے مہک اٹھا گوہر آرا بیگم نے کہا پہلے درود پڑھو اور پھر حضور کی مغفرت کے واسطے دعا کرو۔

اس وقت تین بج چکے تھے اور چاند خواتین مغلیہ کی بربادی نامرس پر ماتم کرتا ہوا بساط فلک سے لپٹ لپٹ کر وداع ہو رہا تھا میری آنکھوں نے اس کے بعد بڑی بڑی مجلسیں دیکھیں اور کانوں نے اچھی اچھی تقریریں سنیں مگر برجیس دلہن کا نالہ سرزمین شاہجہاں آباد اس درد سے گونجا کہ اس کی

ٹھیک تعداد تو یاد نہیں مگر پھولوں کے چھبیے پندرہ بیس سے کم نہ ہونگے وہ آج کل کے دن نہ تھے کہ ہر چیز پر آگ پڑ رہی ہے پیسے پیسے کی ڈھیریاں الگ لگی ہوئی تھیں دو گھنٹہ میں دو کے سوا سب چھبیے خالی ہو گئے تو بیگم کی آواز پھر گونجی۔

پٹیں آ رہی ہیں موتیا کی

گوہر آرا بیگم نے مسکرا کر کہا بس بیگم اب بیان شروع کرو اور یہ تبرک رکھ لو اتنا سنتے ہی بیگم نے چھبے ڈھانک دئے۔ برجیس دلہن آکر بیٹھیں اور کہا۔

"میں کل تو یہ کہہ چکی ہوں کہ جنوبیاں کی پھانسی کی خبر سے میرا دل زندگی سے بیزار ہو گیا۔ اس بچہ کو میں نے اپنے ہاتھ سے پالا تھا بہتیرا دل بہلانی تھی مگر دل کی طرح ٹھیک نہ ہوتا تھا آخر میں نے نھے دولھا سے کہا کہ میرا جی یہاں سے گھبراتا ہے اب یا تو شہر چلو یا جدھر منہ اٹھے وہ راضی ہو گئے اور ہم نے جانے کا ارادہ کیا تو امرداد اس کا سارا گھر منتیں کرنے لگا۔ مگر میرا دل اکھڑ گیا تھا۔ آخر یہ صلاح ٹھیری کہ میرٹھ یہاں سے تیس کوس ہے وہاں چلیں میری ایک منہ بولی بہن تھیں اور مجھ سے محبت بھی بہت کرتی تھیں۔ ٹھہرنے کا ٹھکانہ موجود تھا چالیس پچاس روپے بھی پاس ہو گئے تھے۔ گاؤں والوں کو رونا چھوڑ آخر میں اور نھے دولھا میرٹھ روانہ ہو گئے گاڑی والا تھا تو بڈھا مگر مزاج کا بہت ہی کڑوا۔ ہم سب ہی پہلے تھے شام کو بیگم آباد میں قیام کیا۔ ایک ٹوٹی ہوئی سرائے میں ٹھیرے رات گذری کھانا ہمارے ساتھ تھا۔ صبح تڑکے آگے بڑھے اور چار بجے میرٹھ پہنچ گئے۔

"پلٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

برجیس دلہن کی بپتا کو فراموش کرا دیا۔ جب دعا ہو چکی تو چار بج رہے تھے بادشاہ کا نام آتے ہی کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس سے آنسو نہ نکل رہے ہوں برجیس دلہن کی داستان ابھی ختم نہ ہوئی تھی اور خیال تھا کہ وہ نماز سے پہلے اپنی مصیبت سنا دینگی لیکن

گوہر آرا بیگم نے کہا میں جانتی ہوں کہ دلی والوں کو یہ راتیں پھر نصیب نہ ہونگی اور ان کا جی نہ چاہتا ہوگا کہ جلسہ ختم ہو مگر زیادہ سے زیادہ گھنٹہ بھر رات اور سمجھ لو۔ برجیس دلہن تھک گئی ہیں اس لیئے اب باقی کتھا رات کو۔

جمن صاحب کے احاطہ والے خلیفہ رحیم بخش تیراک جن کے بیٹے شبی اب بھی زندہ ہیں اسی صبح کو جمنا میں ڈوب کر مرے انکی بابت سنا ہے کہ وہ پالتی لگا کر اس پار سے اس پار حقہ پیتے نکل جاتے تھے انکے ڈوبنے کی بہت سی روایتیں مشہور ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ مگر نے انکا خاتمہ کیا، بسنت کا اصلی میلہ تو ایک دن کا تھا دلی والوں نے اپنی دھینگا دھینگی دن بڑھا لئے تھے خلیفہ جی کی موت سے میلہ کچھ اکھڑ سا گیا۔ قاضی کے حوض سے لیکر ادھر نئے بانس تک اور ادھر پھاٹک نہر اور موری دروازہ تک بھوری والوں نے دوکانیں نہیں کھولیں۔ ہاں خوجی والے چرخی والے اور شیخو والے میلہ مناتے رہے۔ مگر آج روز کی سی گہما گہمی نہ تھی لیکن شام ہوتے ہی خلقت ٹوٹ پڑی۔ گوہری تمبو اور میدان آدمیوں سے پٹ گیا۔

شہزادیاں قلعہ میں تو پہلے ہی پردہ نہ کرتی تھیں اب غدر نے پردے کا بالکل ہی صفایا کر دیا تھا عشا کی نماز نقارہ دروازے ہوئی اور دس بجے ہونگے کہ بیگم کی آواز گونجی۔ "پلٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

پڑتی۔ ایک پیسے کے چنے چبائے اور رات کو مدار دروازہ کی سڑک پر بیٹھ کر صبح کر دی۔ یہ دن اور یہ رات بھی یوں ہی گذری اور وہ دو پیسے بھی ختم ہو گئے۔ بھپر دو وقت کا فاقہ تھا۔ مگر بھیک مانگنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ ایک پختہ حویلی دکھائی دی بسم اللہ کہہ کر اندر گھسی اور گھر والی بی بی سے کہا کہ آپ کو ماما کی ضرورت ہے؟ وہ تو ایسی نکموڑی تھی کہ جواب بھی نہ دیا۔ ہاں میاں نے کہا کہ "اندر آؤ بی کون ہو کہاں کی رہنے والی ہو۔ کیا تنخواہ لوگی"۔ میں نے کہا جو آپ دینگے۔ اس پر میاں بیوی میں کچھ صلاح ہوئی اور مجھ کو ایک روپیہ مہینہ کھانے پر نوکر رکھ لیا۔

میاں جس قدر شریف تھے بیوی اسی قدر کمینی۔ کمبخت کی سمجھ میں کوئی کام ہی نہ آتا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے تین چار مہینے کاٹے۔ ایک دن مرچوں پر جھگڑا ہوا کہنے لگی تم نے مرچیں زیادہ کر دیں۔ میں نے کہا "کمبخت: نوکری طے کر رکھ ہاتھ بیچے ہیں ذات نہیں بیچی"۔ میں اتنا کہہ برقع اوڑھ باہر نکلی۔ پیچھے پیچھے میاں آئے۔ بہتیری منت خوشامد کی۔ مگر میرا دل اکھڑ گیا تھا۔ میں نہ ٹھیری۔ دو روپے میرے پاس تھے۔ ایک روپیہ چڑھا ہوا تھا وہ نہ لا نوآنہ اور نئے گاڑی کا کرایہ دے گھر آئی۔

اب زندگی کا مزہ نہیں ہے۔ ہر نماز کے بعد دعا کرتی ہوں کہ جہاں سب گئے خدا مجھے بھی وہیں پہونچا دے اور میرا پردہ ڈھانک لے"۔

میری وہ راتیں جو بیلے میں بسر ہوئیں زندگی کی بہترین راتیں تھیں۔ شہزادیاں بھی قلعے اور بادشاہ کو اتنا نہ روتی ہونگی جتنا میں دلی اور دلی والوں کو رو رہا ہوں۔ عمر گذشتہ کی یاد بڑھاپے میں سوہان روح ہوتی ہے۔ کلیجہ

پھوپی جان کو بہتیرا ڈھونڈھا۔ مگر خاک پتہ نہ ملا۔ ہاں اتنا ضرور معلوم ہوا کہ غدر میں دونوں میاں بیوی دلی جاکر مر گئے۔ اب اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ یہاں بھی سرائے میں گئے۔ بھٹیاری کمبخت ایسی خردماغ کہ خدا کی پناہ بات کرو تو کاٹنے کو دوڑے ہر وقت تو یہ کہتی تھی کہ تم مخبر ہو۔ ہم کو وہاں ٹھیرے چوتھا روز تہا کہ ننے دولھا بخار میں لوتھ ہو گئے۔ میرٹھ میں خاصی امی جمی ہو گئی تھی۔ حکیم کا نسخہ تھا اس نے کہا موتی جھرا ہے آٹھواں یا نواں دن تہا کہ انکی حالت بگڑنی شروع ہو گئی۔ گھس لگانے کو آدمی نہیں۔ آخر میں ہی باہر نکلی اور برقعہ اوڑھ حکیم کے ہاں پہنچی انہوں نے انسانیت برتی کہ میرے ساتھ آگئے اور نبض دیکھ کر نسخہ بدلا مجھ سے تو یہ کہا کہ گھبراؤ نہیں اللہ مالک ہے اور بھٹیاری سے کہدیا یہ مر جائیں گے۔ ہوشیار رہنا۔ وہ نامراد آئے تو جائے کہاں نتھنے پھلا سامنے آکھڑی ہوئی کہ کوٹھری ابھی خالی کرو۔ بیمار کی حالت بگڑ رہی تھی میں نے بہتیرا سمجھایا منت خوشامد کی لیکن وہ کمبخت کیا ماننے والی تھی اپنے دو بھٹیاروں کو اور لے آئی کہ ہماری سرا بدنام ہوگی نوج اس میں سے مردہ نکلے۔ میں روتی ہوئی سڑک پر جا بیٹھی دو تین مرد میرے ساتھ آئے اور ان بے ایمانوں کو ڈانٹا۔ بیمار کو دیکھا تو سانس اکھڑ رہا تہا وہ اتنے بھلے مانس تھے کہ وہیں بیٹھ گئے۔ شہد لائے یٰسین سنائی رات کے تین بجے ہونگے کہ ننھے دولھا رخصت ہوئے۔

میرٹھ کے یہ تینوں آدمی فرشتے تھے جنکو خدا نے بھیجا تھا میرے پاس ایک چونی کوڑی نہ تھی انہوں نے ہی اول منزل کیا اور ہمارا کرایہ بھی ادا کیا۔ میں ٹھیک دوپہر کو باہر نکلی تین پیسے میرے پاس تھے کہاں جاتی اور کہاں

"برجیس دلہن کی داستان ادھوری رہ گئی تھی اس لیے پہلے وہ ختم ہوگئی۔ بادشاہ کی سلامتی کی دعا ہو چکی۔ مگر دلی والوں بادشاہ کہاں! بلبل اڑ گئی خالی پنجرے کو پیٹ لو روح نکل گئی جسم باقی ہے۔ تم نے صاحب عالم کا بگڑا ہوا وقت دیکھا جن باتوں کو رو رہی ہو یہ زوال کے دن تھے۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ ہم نے اچھے رنگ دیکھ لئے۔ قلعہ میں میناہ بازار کی سیر ایسی دیکھی کہ اب تم کو نظر نہ آئے گی۔

چھتیسے کال کی وجہ یہ ہے جب آٹا ڈیڑھ من سے چھتیس سیر کا رہ گیا۔ مخلوق چیخ اٹھی اور کہدیا کال پڑ گیا۔ حضور نے حکم دیا کہ مینا بازار کی ساری آمدنی کنگلوں کو دیدو۔ بات فقط اتنی تھی کہ ساون کے تیرہ دن نکل گئے اور مینہ نہ برسا۔ آدھا اساڑھ خاصا برسا تھا۔ مگر بنیوں نے تیرہ ہی دن کو تیرہ برس بنا آٹا گھٹا دیا۔ بادشاہ اور رعیت کے راز و نیاز ہیں۔ چھتیس سیر کا آٹا ہوتے ہی رعیت نے چھتیسا کال اس سال کا نام رکھ دیا۔ اور حضور نے مینا بازار کی پوری آمدنی کنگلوں کی نذر کر دی۔ کوئی انگریز ولیم صاحب بھی آئے ہوئے تھے انہوں نے جگہ جگہ کی تصویریں اتاریں۔ مینا بازار کی تصویر مجھے بھی صبح کو کوٹھڑی میں پڑی مل گئی۔ سنتی ہوں کہ اب ولایت میں اس کی بڑی قدر ہو رہی ہے۔

تصویر کا نام سنتے ہی لوگ گرنے شروع ہوگئے۔ لیکن جب گھنٹہ بھر سے زیادہ ہو گیا تو گوہر آرا بیگم نے ایک ہاتھ میں شمع لی اور دوسرے ہاتھ میں تصویر لیکر کہا لیجئے دور سے نیت بھر کر دیکھئے یہ میناہ بازار کی تصویر ہے آگے چلکر مینا بازار تو کیا تصویر بھی دیکھنی نصیب نہ ہوگی یہ وہ تصویر ہے کہ حضور کی منجھلی بہو افروز دلہن تاج رکھے موتیوں کے ہار خرید رہی ہیں اور عورتیں انکو مال دکھا دکھا کر منہ مانگے دام لے رہی ہیں۔

پر سانپ لوٹ جاتا ہے اور جب جوانی کی بہاریں سامنے آتی ہیں تو گذرے ہوئے دن اور بیتی ہوئی راتیں تیر بنکر دل میں گھستی ہیں۔ مگر جس شخص کی جوانی بھی بڑھاپے سے بدتر ہو جو پیدا ہوا تو روتا ہوا اور زندہ رہا تو روتا ہوا قہقہے بھی آنسوؤں میں شرابور ہوں۔ اور جس کی مسرت بھی افکار سے لبریز، وہ روئیگا تو اپنے آنسوؤں پر اور بلبلائے گا تو اپنے آلام پر۔ زندگی کا وہ فانی دور جو جوانی کے نام سے تعبیر ہوتا ہے۔ مجھ پر بھی گذرا ہے۔ فطرت انسانی کے اس اصول سے میں بھی مستثنیٰ نہیں ہوں۔ مگر جوانی جب یاد آئی ہے۔ اس کے پہلو میں ہمیشہ بچھڑی ہوئی صورتیں دیکھی ہیں۔ دلی اور دلی والے بیلے کے میلے میں جن گھروں کو رو رہے تھے وہ تو خیر رخصت ہو ہی چکے تھے ستم پر ستم یہ ہے کہ وہ رونے والے بھی نہ رہے اور میری آنکھوں کے سامنے ایک ایک کر کے سب اٹھ گئے ۔۔ میں ان راتوں میں رونے والوں کا ہمنوا تھا آج تنہا ہوں اور کوئی اتنا بھی نہیں جو میرے آنسوؤں کی ہاں میں ہاں ملا دے۔

جی تو یہی چاہتا ہے کہ پھول والی بیگم کی للکار اور مہکار پر جو کانوں میں گونج رہی اور دماغ میں بس رہی ہے جب تک زندہ ہوں عقیدت کے پھول چڑھاتا رہوں۔ مگر سننے والے اکتا جائیں گے اس لئے چھوڑتا ہوں اور اصل مقصد پر رجوع کرتا ہوں۔

برجیس دلہن کی داستان ختم ہو چکی تو پھر وہی صدا گونجی "پٹیاں آرہی ہیں موتیا کی"

خلقت پھر لوٹی اور جو ڈھیریاں باقی رہ گئی تھیں وہ ختم ہو گئیں تو گوہر آرا بیگم نے کہا:۔

تیسرا دن بھی فاقے سے گذرا۔ تیسرے پہر کو اس نے آکر کہا آج مغرب عشا کے درمیان تیرا نکاح ہے۔ یہ سنتے ہی جان نکل گئی۔ شام پکڑنی مصیبت تھی۔ ادھر جھٹ پٹا ہوا ادھر میں نے ابا میاں کی اچکن پہن صافہ باندھا اور لکڑی ہاتھ میں لے باہر نکل گئی۔ ساری رات منہ اٹھائے چلی گئی پلٹ کر نہ دیکھا صبح مجھے جنگل میں ہوئی مگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ کالا پیچھے آرہا ہے، پھر چلی شاید دس بجے ہونگے۔ ایک گاؤں کے چوراہے پر مٹی کی چینی میں خشکہ اور دہی رکھا ہوا تھا۔ ڈر ڈر سب بھول گئی۔ بڑے بڑے نوالے مار آگے بڑھی۔ پیاؤ پر پانی پیا اور چلدی۔

مجھے نہ تو یہ خبر تھی کہ دن کہاں ہے نہ یہ کہ رات کدھر آئی اور گئی یہ بھی نہیں بتا سکتی کہ کتنے دن اور کتنی راتیں اس طرح گذریں جس گاؤں میں پہنچتی بھیک سے پیٹ بھر لیتی اور آگے بڑھ جاتی۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ اسی طرح گذرا ہوگا۔ آخر تھک کر چور ہوگئی۔ پاؤں لہولہان ہوئے۔ اور جب ایک دن دوپہر کے وقت بخار شدت سے چڑھا تو ایک درخت کے نیچے ٹھٹکی۔ مگر کالے کمبخت کا ایسا ڈر سوار تھا کہ بخار میں بھی اسی مردود کی صورت سامنے آئی دکھائی دیتی تھی۔ سامنے ایک پہاڑ تھا وہاں گئی تو اس کے نیچے ایک کھوہ میں پڑ گئی۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ میں کب تک وہاں سوئی۔ گھنٹہ بھر یا دن بھر۔ آنکھ کھلی تو بخار اتر چکا تھا۔ مگر کمزوری کا یہ حال تھا کہ بات نہ کی جاتی تھی۔ چاروں طرف دیکھا آدمی نہ آدم زاد۔ پیاس کے مارے کانٹے زبان پر پڑ رہے تھے۔ مگر پانی کا کوسوں پتہ نہ تھا۔ اس جنگل بیابان میں اس سنسان پہاڑ پر ایک طرف سے کچھ گانے کی سی آواز آئی۔ اسی آواز پر چل کھڑی ہوئی تھوڑی دور جا کر کیا دیکھتی ہوں کہ ایک آبشار ہے اور پاس ہی ایک چشمہ صاف اور شفاف پانی کا لہریں

جب سب لوگ تصویر دیکھ چکے تو گوہر آرا بیگم نے کہا "اب ہماری ننھی حیدری اپنی داستان سنائیں گی۔ تیرہ چودہ برس کی عمر میں خدا جانے کہاں کہاں کی خاک چھان لی"۔ بی ننھی حیدری مسکرا رہی تھیں کہ پھر آواز گونجی۔

پٹیں آرہی ہیں موتیا کی

گوہر آرا بیگم نے کہا اے ہے بیگم بس کرو دیکھو تو آدھی سے زیادہ رات باتوں ہی باتوں میں گزر گئی خلقت بیچین ہو رہی ہے"۔ بیگم نے قہقہہ مارا اور کہا "آپا پہول تو ختم ہو گئے اب رکھا ہی کیا ہے میں تو ہنس رہی ہوں"۔ اس پر سب ہنس پڑے اور ننھی حیدری نے اپنی بیتی اس طرح سنائی:۔

ننھی حیدری کی سرگذشت

"میرے گھر میں سوائے ابا میاں کے اللہ کا نام تھا۔ باپ تھے تو وہ اور ماں تھے تو وہ بہن بھائی کوئی ہوا ہی نہیں۔ نانی دادی کی صورت بھی نہ دیکھی کسی بڑی ضرورت کو بھی گھر سے نکلتے تو اوپر کی کنڈی لگا کر جاتے۔ جب غدر کا پہاڑ گرا تو وہ بچارے آس نہ پاس لیکن کالے مخبر نے میرے بے قصور ابا میاں کو پکڑوا دیا اور اتنی سی بات پر کہ اسکے لڑکے سے انہوں نے میری شادی کیوں نہ کر دی مجھ پر جو کچھ گذری کیونکر کہوں اور کس سے کہوں دو دن اور دو رات جانماز پر بیٹھی تسبیح پڑھتی رہی۔ تیسرے دن صبح ہی اس نے آکر کہا۔ تیرے باپ کو پھانسی ہو گئی تو میری بھتیجی ہے۔ اب تیرا نکاح میں اپنے لڑکے سے کرونگا۔ اب کوئی اللہ کا بندہ بتائے کہ میں کیا کرتی۔ ابا میاں کی پھانسی کالے بے ایمان کی بدمعاشی، نکاح کا ڈر کس کس چیز کو روتی۔ یہ

انواع و اقسام کی نعمتیں ہر وقت اس کے واسطے حاضر تھیں۔ اور ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے ہر لمحہ اس کی دعوت میں مصروف تھے۔ میں بھی ہر طرح سے بے فکر تھی۔ وہ مجھکو بیٹی سے زیادہ چاہتا تھا۔ اس کی محبوب و مرغوب چیزیں سانپ تھے ہر وقت کھیلتا اور مگن رہتا۔

ایک روز اس نے مجھکو ایک بوٹی دکھائی کہ کیسا ہی زہریلا سانپ ہو یہ تریاق ہے۔ اگر ایک قطرہ بھی حلق سے اُتر گیا تو آدمی مر نہیں سکتا۔ کوئی دو مہینے بعد میرا سپیرا پہاڑ سے اُترتا ہوا لڑک گیا۔ اور ایسا گرا کہ ہڈی پسلی چکنا چور ہو گئی۔ اب میرا یہاں ٹھیرنا فضول تھا۔ اور میرا دل بھی اس کے بعد نہ لگا۔ میں یہ کہنا بھول گئی کہ میرے کپڑوں کی دھجیاں لگ گئی تھیں۔ ایک گیروا چادر سپیرے نے مجھکو دیدی تھی وہی میرے بدن پر تھی صبح کے وقت ایک دن میں وہاں سے چل کھڑی ہوئی شام کے قریب ایک شہر میں پہونچی دلی چھوڑے مدتیں ہو گئی تھیں۔ شہر کی صورت دیکھتے ہی دل کی کیفیت کچھ اور ہو گئی اور اپنا گھر یاد آیا مگر کجا دلی اور کجا میں، ٹھنڈا سانس بھر کر سڑک پر بیٹھ گئی۔ سامنے دیکھا تو آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے ہیں دس جاتے ہیں بیس آتے ہیں۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا تمہیں سانپ کے کاٹے کا منتر بھی یاد ہے۔ میں نے پوچھا کیا معاملہ ہے تو اس نے کہا ہمارے راجکمار کو ناگ نے ڈس لیا۔ میں نے کہا کہ ہے دیکھوں بوٹی میرے ساتھ تھی۔ میں نے اندر جا کر دیکھا تو بائیس چوبیس برس کا لڑکا بیہوش پڑا ہے اور سینکڑوں آدمی اِدھر اُدھر کھڑے افسوس کر رہے ہیں۔ اس کی مائیں پچھاڑیں کھا رہی تھیں میری صورت دیکھتے ہی قدموں میں گری اور کہا مہاراج دیا کیجئے۔ میں نے بوٹی پیسکر حلق میں ڈالی، خدا کی شان راجکمار نے آنکھیں کھول دیں۔ اب تو سارا شہر میرے قدموں میں تھا۔ راجکمار کی

لے رہا ہے۔ اِدھر اُدھر خوش رنگ پھولوں کے پودے ہیں۔ اور جس وقت ہوا ان پھولوں کو سرسراتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام پہاڑ ہنس رہا ہے کیسی بہار تھی کہ سبحان اللہ میں نے پانی پیا تو کتنا شیریں کہ دل باغ باغ ہوگیا۔ پہاڑی درخت میووں سے لدے کھڑے تھے۔ بھوک کے مارے بیتاب تھی۔ خوب توڑے خوب کھائے مگر وہ باجے گانے کی آواز اب تک برابر آرہی تھی اور اب تو بالکل صاف سنائی دے رہی تھی آگے بڑھی تو دور سے ایسا معلوم ہوا کہ وہ باجے کی آواز پونگی ہے اور کوئی شخص تنہا کبھی پونگی بجاتا ہے کبھی گاتا ہے یہاں تک کہ ایک شخص دکھائی دے گیا۔ دُور سے کھڑے ہوکر دیکھا کہ کہیں کالا نہ ہو۔ جب دیکھ لیا کہ ایک بڈھا سپیرا ہے تو پاس پہنچ گئی۔ سپیرا اپنی دھن میں مست خود ہی جھوم رہا تھا۔ اور اس کے سامنے دو سانپ کالے بھنور پھن اٹھا اٹھا کر اس کی گود میں کھیل رہے تھے۔ مجھکو دیکھ کر سپیرے نے پونگی چھوڑ دی اور ایک سانپ کو ہاتھ میں پکڑ کر مجھ سے پوچھا بابا کون ہے۔ کیوں آیا ہے۔ میں ایک کونہ میں خاموش بیٹھ گئی۔ سپیرا میرے قریب آیا۔ بڈھا پھونس تھا پلکیں تک بگلہ تھیں اور تمام جسم پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے اس سے تمام کیفیت بیان کی وہ ایسا مہربان ہوا کہ اسی وقت اپنے ہاتھ سے پھل توڑ کر کھانے کو دیئے اور کہا بیٹی یہ نیلگری پربت ہے تو شوق سے رہ میں تجھکو اپنی بیٹی سمجھوں گا۔ اس نے مجھ سے اپنی حالت بیان کی کہ سمیر پور راجہ کا بھانجا ہے۔ ایک جوان لڑکی عمر بھر کا سرمایہ تھی جسکو مرے پندرہ بیس برس ہوگئے اس کی موت کے بعد سے گھر بار چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل آیا اور یہاں زندگی بسر کر رہا ہے۔ مجھے اس کی زندگی پر رشک آتا تھا کہ کوئی رنج و غم اس کے پاس آکر نہ پھٹکتا تھا۔ قدرت کا دستر خوان

دو ڈھائی سو آدمی تھے۔ دن بھر جنگلوں میں رہتا اور رات کو جہاں جی چاہا پہونچا، مارا پیٹا اور جو ہاتھ لگا لے چلتا ہوا۔ کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ ایک آدھ ڈاکہ نہ ڈالتا ہو اور دو چار آدمی نہ مارتا ہو۔ آکا ابا کی بہادری مشہور تھی۔ جنٹ صاحب نے اسی لئے ان کو کانپور بھیجا۔ جو لوگ ساتھ تھے وہ اُن کے ماتحت تھے اور خوب رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ رستے بھر انہوں نے جنگل میں منگل رکھا اور کانپور پہونچ چھاؤنی میں ڈیرے ڈال دئے۔

شام ہو گئی تھی اس لئے رات تو وہیں گذری صبح کو چھوٹے بوچڑ خانہ میں آکا ابا نے مکان کا انتظام کیا اور ہم دونوں ماں بیٹیاں وہاں چلی گئیں ہمارے برابر ہی دیوار بیچ رسالدار احمد نبی خاں کا مکان تھا وہ آکا ابا سے مل کر بہت خوش ہوئے اور ہماری دعوت کی۔ ہم دوسرے دن شام کو ان کے ہاں گئے۔ تو میں نے ان کی بیوی کو دیکھا بہت ہنس مکھ اور اچھے مزاج کی بی بی تھیں مگر میں یہ دیکھ کر حیران تھی کہ جو لونڈی ان کے ہاں کام کاج کر رہی تھی وہ مجھ سے اپنا منہ چھپائے لیتی تھی۔ میں نے گھر والی بیوی سے تو پوچھنا مناسب نہ سمجھا مگر اس تاک میں رہی کہ کسی طرح اس چھوکری کو دیکھ لوں۔ جب میں کھانے کے واسطے ہاتھ دھونے اٹھی تو چھوکری کا گھونگٹ الٹ دیا دیکھتی ہوں تو قمر جہاں اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا اگر وہی مجھے نہ پکڑتی تو میں گر پڑتی۔ اس نے سنبھالا اور اشارہ سے کہا "خبردار بولنا مت" میں نے ابا جان سے ذکر نہ کیا مگر کھانا کیا خاک کھایا جاتا برائے نام دو چار نوالے کھا اٹھ کھڑی ہوئی۔ قمر جہاں کا نام اس گھر میں آکر چنی ہو گیا تھا چلتے وقت میں نے رسالدارنی سے کہا اگر آپ اجازت دیں تو آپ کی چنی کو ساتھ لے جاؤں پرایا محلہ اور اکیلا مکان ہے آکا ابا اب چھاؤنی چلے جائیں گے"

پڑیں اور کہنے لگیں "اے ہے خالہ ٹپکی پڑے موئی لپٹوں کو میرے تو پردے بھی پھٹ گئے" گوہر آرا بیگم نے کہا "اچھا بی خالہ جان تو جلدی جلدی چھیلے خالی کر۔ دیر زیادہ ہو گئی ہے خلقت ٹوٹ پڑی اور ایک آدھ ہی گھنٹہ میں پھول صاف ہو گئے تو گوہر آرا بیگم نے کہا "اب سب سے پہلے گوری پھوپی جان اپنی بیتی سنائیں گی" اتنا کہہ کر انہوں نے گوری کا ہاتھ پکڑ کر سامنے بٹھایا تو وہ ہنس کر کہنے لگیں:

شہزادی قمر جہاں کی بپتا

سب نے اب تک آپ بیتی سنائی مگر میں جگ بیتی سناتی ہوں اور یہ ایسی ہے کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ مجھکو شہر آئے دو سال سے زیادہ ہوئے ہیں نے کسی سے کچھ نہ کہا آج سب کے سامنے بیان کرتی ہوں

مجھ پر تو کچھ ایسی بپتا نہیں پڑی جس کا رونا روؤں ہاں میں نے بارہ دری والی چچی کی لڑکی قمر جہاں کی جو مصیبت دیکھی وہ خدا دشمن کو نہ دکھائے میرے آقا ابا اجنٹی میں میر منشی تھے کس مخبر کی مجال تھی کہ ہم سے آنکھ ملا لیتا بلکہ انہوں نے بیسیوں کو پھانسی سے چھٹکارا دلوایا اور موئے نصیرا مخبر کو تو جنٹ صاحب سے کہہ کر بیچ بازار میں پھانسی دلوا دی۔ ان کو ایکا ایکی کانپور جانے کا حکم ہو گیا۔ پچیس تیس آدمی ساتھ تھے اور بھی دو تین آدمیوں کے بال بچے تھے باقی سب مرد ہی مرد ہم شام کے بھاگ بھاگ کانپور اترے وہاں امی جمی تو ہو چکی تھی مگر شیورا ڈاکو باغی اب تک قبضہ میں نہ آیا تھا اس کے

جب رات ہو گئی تو ایک آدمی جس کے پیچھے پیچھے دو نوکر تھے روٹیاں بانٹتا آیا اُس نے مجھکو بھی ایک روٹی دی میں نے پانچویں روز روٹی کی صورت دیکھی تھی امرت ہو گئی۔ کھا کر پانی پیا۔ کئی وقت کے بعد جو پیٹ بھرا تو ایسی نیند آئی کہ کچھ ہوش نہ رہا وہیں سر رکھ کر میں لیٹ گئی۔ آنکھ کھلی تو خاصا اُجالا تھا اس طرح تین چار دن گذرے۔ شام کے وقت ایک دن دو تین فوجی آدمی آئے ان میں سکھ بھی تھے اور مسلمان بھی۔ مسلمان نے میری طرف دیکھا اور کہا "چل ہمارے ساتھ آر روٹی دیں گے۔ میں ساتھ ہو لی۔ اس نے اپنے گھر لا کر ایسا پٹخا کہ آج تک نہ اُبھری۔ یہ وہی رسالدار ہیں اور یہ رسالدارنی اُن کی بیوی ہیں کوئی آٹھ دس روز تو میں وہاں رہی پھر یہ لوگ یہاں چلے آئے۔ اب چاہے رنڈی باندی کہو یا ماما اصیل۔ نماز کے وقت کی اُٹھی ایک ٹانگ سے پھرتی ہوں۔ جب کہیں جا کر پیٹ بھرتا ہے۔ بیوی تو خیر کچھ رحم بھی کر لیتی ہے مگر رسالدار تو حقہ کو دم بھر دیر ہو جائے یا نہ سلگے تو چھوٹتے ہی کوڑے سے بات کرتے ہیں کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ کھال نہ اُدھڑے دیکھو سارا بدن نیلا ہو رہا ہے۔"

اتنا کہہ کر اُس نے کرتا اُٹھا کر پیٹھ دکھائی۔ اماں اماں میں وہاں رو دینے لگے اسکا جسم چوڑی ہتا خدا خدا کے صبح ہوئی تو اماں جان نے آکا ابا کو ساری کیفیت سُنائی انہوں نے قمر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا بیٹی تم گھبراؤ نہیں اپنے گھر آ گئی ہو اب رسالدار کے ہاں نہ جانے دونگا۔ میں یہ دیکھ رہی تھی کہ خوش ہونے کے بدلے قمر کچھ ڈر سی رہی تھی اسکا دل کچھ ایسا مر گیا تھا کہ ہنسی بھی کو نہ آ رہی تھی۔ آکا ابا نے رسالدار سے کہا تو وہ بہت پھیلے اور کہنے لگے کہ "ہم نے آپ کی اچھی دعوت کی کہ اپنا آدمی ہی ہاتھ سے کھویا۔ آپ اسکو لیجا

رسالدارنی نے کہا "بیٹی شوق سے لے جاؤ" میں باغ باغ ہوگئی اور قمر کو لے گھر آئی۔ اماں جان کو معلوم ہوا کہ یہ قمر ہے تو گلے سے لگا کر اس قدر روئیں کہ ہچکی بندھ گئی میں نے اسی وقت اسکو اپنے کپڑے دئے نہلوایا اور کہدیا کہ بس لونڈی گیری ہو چکی اب کسی کی مجال نہیں کہ تم پر حکومت کرسکے تم بتاؤ تو سہی یہاں کیونکر آگئیں قمر یہ سن کر بہت روئی جب میں نے زیادہ کہا تو کہنے لگی "بوا کیا بتاؤں تقدیر کا لکھا بھگت رہی ہوں اور دیکھئے کیا کیا لکھا ہے۔ لو سنو کیا بیتی :-

اما جان تو تھیں ہی نہیں ابا میاں کو جب پھانسی ہوگئی تو گھر میں مٹھی بھر آٹا بھی نہ تھا۔ دو رات میں تو میں نے جوں توں گزاریں مگر تیسرے دن دم آنکھوں میں آگیا اور پانی کی بھی بوند رہی تو رضائی اوڑھ باہر نکلی۔ بھوک اور پیاس کے مارے جان نکل رہی تھی ایک کرتہ یا پاجامہ کی بقچی بغل میں تھی چاروں طرف بھیک مانگی مگر خدا گواہ ہے کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا ہو۔ ہاں پیاؤ پر پانی تو خوب ڈگڈگا کر پیا آگے بڑھی تو سارا قلعہ جمعہ مسجد کے تلے جمع تھا وہاں پہونچی تو سب رشتہ دار اور ملنے جلنے والے مگر کچھ ایسی نفسی نفسی پڑ رہی تھی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا معلوم یہ ہوا کہ چنوں کی گاڑی گیارہ بجے آتی ہے اور سب کو مٹھی مٹھی بھر ملتے ہیں۔ بی کیا بتاؤں کہ کیونکر گذری مجھ میں تو چلنے کی سکت نہ تھی زمین پر بیٹھ گئی اور آنکھیں بند کرلیں۔ گاڑی آئی تو خدا کی پناہ ایک پر ایک گر رہا تھا دھکا اور مکا لات اور گھونسہ مگر پیٹ بری بلا ہے پٹتی کٹتی پہونچی اور مٹھی بھر چنے جو اسوقت پلاؤ سے زیادہ تھے دو ہی پھنکوں میں ختم کرلئے۔ چاروں طرف چیل کی طرح منڈلائی لیکن ایک دانہ نصیب نہ ہوا۔

"ہم ختم ہو جائیں گے مگر ہماری داستانیں ختم نہ ہونگی، جبتک دنیا زندہ ہے اسوقت تک ہمارا تذکرہ زندہ رہیگا اسوقت تک ہمارے رونے والے بھی نہ رہیں گے۔ ہم پر جو قیامت ٹوٹی ہے یہ ایسی نہیں ہے کہ آدمی بھول جائے ہماری بپتا دوسروں کے دل دہلائے گی۔ گورے یا کالے جو کچھ بھی تھے ایسی آفت ڈھائی ہے کہ دلی اور دلی والے عمر بھر روئیں گے مخبروں نے جو ستم توڑا ہے اور بیگناہوں کو پھانسیاں دلوا کر جیسے جیسے گھر اُجڑوائے ہیں اسکا بدلہ ہم اپنی آنکھ سے دیکھیں گے معصوموں کا خون اوپر ہی اوپر نہ جائے گا۔ ان چاروں نامراد مخبروں میں سے ایک کالے کی کہانیا تو کٹ چکی دوسرا جو پاؤں پیٹ رہا ہے باقی دونوں کا حشر بھی دیکھ لینا۔ اب میلہ اور داستانیں ختم زندگی ہے تو اگلے برس پھر دیکھ لیں گے۔"

برجیس دولہن پانی پیکر کچھ سنبھل گئی تھیں وہ، کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ ایک دفعہ اور

"پلٹنیں آرہی ہیں موتیا کی"

آواز گونجی اور پھول والی بیگم نے کہا۔ "مرنے والے ایسے بدنصیب تھے کہ ان شہیدوں کو گور و کفن کچھ بھی نصیب نہ ہوا پھول اور چالیساں تو الگ رہے ڈھونڈھیں بھی تو پتہ نہیں کہ کس کی قبر کہاں ہے یہ جنتی بندے ایسے بے وارثے تو نہ تھے کہ انکی روحیں ترستی پھڑکتی سدھاریں اور دور دٹیاں تک نصیب نہ ہوں میں چاہتی ہوں کہ غدر کے شہیدوں کا کل چالیسواں ہو جائے بوا گوہر آرا بیگم اگر منظور کریں تو اس سے بہتر موقعہ کونسا ہوگا سارا شہر جمع ہے لیکن اس خالی خولی رونے دھونے سے کیا حاصل جو جسکو نصیب ہو اپنا اپنا کھانا لے آئے اور یہاں مل بیٹھ کر ان کے نام سے کھالیں۔"

کہاں سکتے ہیں اسکا نکاح تو میرے نوکر بنو سے ہو چکا ہے۔" آکا ابا کو بھی غصہ آگیا اور اُنہوں نے کہا آپ کو معلوم بھی ہے یہ کون ہے میری بیوی کی بھانجی ہے۔ مرد خدا مسلمان ہو تمہارے آگے بھی بیٹی بھانجیاں ہیں۔ سدا دور ایک نہیں رہتا خدا معلوم کل کیا ہو۔ اس کے قہر سے ڈرو۔" رسالدار نے حیل حجت تو بہت کی مگر آکا ابا نے ایک نہ سُنی اور بوچڑخانہ کا مکان چھوڑ قمر کو ساتھ لے چھاؤنی میں آگئے۔

جب ڈاکو پکڑ لیا گیا اور اس کے ساتھی بھی پھانسی پر لٹک گئے تو آکا ابا دِلی آگئے یہاں آئے شاید ساتواں مہینہ تھا کہ قمر کو بخار چڑھا جب سے آئے دن کی بیمار ہے بخار چڑھتا ہے پھر اُتر جاتا ہے پھر چڑھتا ہے کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا اب قمر ہڈیوں کی الا ہے۔ دُبلی پتلی نازک مزاج لڑکی تھی رسالدار ظالم کے کوڑوں نے زندہ درگور کر دیا اب کوئی دن کی مہمان ہے یہاں آنے کو تڑپ رہی تھی مگر ایک قدم بھی نہیں چلا جاتا۔ خدا اس بدنصیب کا انجام بخیر کرے۔

گوری کی داستان ختم ہوئی تو رات فضاء آسمانی میں کروٹ بدل رہی تھی طبیعتیں گوری کے بیان سے متاثر ہو چکی تھیں اس پر چند لمحہ کی خاموشی اور وداع شب کا درد انگیز آسمان دلوں کی کیفیت عجیب تھی مشکل سے گھڑی بھر اس طرح گذری ہوگی کہ برجیس دُلہن نے روتے ہوئے کہا۔

"بس دِلی والوں ختم کرو روؤ گے تو ہمیشہ مگر اب طبیعتیں سنبھالو اور اپنے اپنے دھندے دیکھو جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔"

برجیس دُلہن دوسروں کو سمجھا رہی تھیں مگر انکی اپنی حالت یہ تھی کہ ہچکی بندھی ہوئی تھی آخر گوہر آرا بیگم نے انکو پانی پلا کر خاموش کیا اور فرمایا۔

کہا کربلی حج کو چلی۔ سارے شہر کو پکڑ واکر گھر گھر کہرام مچوا چکا اب چالیسویں میں شریک ہوا۔ موئے بے غیرت غارت ہو یہاں سے۔

گوہر آرا بیگم کا غصہ لحہ بہ لحہ بڑھ رہا تھا خلقت انکے ساتھ ہوگئی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ دم بھر میں حمید کی تکا بوٹی ہو جاتی کہ پھول بیگم نے آواز لگائی۔

"لیٹیں آرہی ہیں موتیا کی"

ایک صدا کے ساتھ ہی ایک قہقہہ گونجا اور خود گوہر آرا بیگم کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی، تو پھول والی بیگم نے کہا بڑی آپا جان اِس ناشدنی نے جو کچھ کیا آپ بھگتے گا یہ جانے اور اس کا خدا جانے تم نے سُنا نہیں مردہ دو جوانوں کو رو چکا لڑکے کی مچھاتی لاش گھر سے نکلی۔ خاصی اچھی بھلی چنگی بیٹی گھڑی بھر میں چٹ پٹ ہوگئی۔ وہ کس بل سب نکل گیا اب تو اپنے کرکرتوتوں کو روتا ہے یہ جانے اور اس کا خدا آگیا ہے تو آنے دیجئے ایسا ہی ہے تو اس کے کھانے پر لعنت بھیجئے اور کتوں کو کھلا دیجئے مگر زمین تو اللہ کی ہے ہم کیوں نکالیں۔ پھول والی بیگم کے ساتھ ہی کچھ لوگ ہوگئے اور فیصلہ یہ ہوا کہ اس کے کھانے کو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ بیٹھا ہے تو بیٹھے رہنے دو۔

حمید کا نام سُنتے ہی چاروں طرف سے خلقت نے اسے گھورنا شروع کیا گو پھول والی بیگم کی رائے سے کچھ آدمی متفق بھی ہوگئے مگر ہر طرف سے ایسی لعن طعن ہوئی کہ اسکو بیٹھنا مصیبت ہوگیا اور دو نو بھائی آنکھ بچا ایسے چمپت ہوئے کہ پھر صبح تک انکی صورت نہ دکھائی دی۔

دس بجے ہونگے یا بجنے والے ہونگے کہ مولوی نور اللہ خاں نے آواز بلند

پہنول والی بیگم کی رائے سے سب نے اتفاق کیا اور جلسہ سے متفقہ آواز آئی کہ بہت خوب ضرور چاہیئے کل ہم سب جو خدا نے دیا اللہ چاہے مغرب کے وقت لے کر حاضر ہو جائیں گے۔

آب پو پھٹ رہی تھی اور ہوا اور پرند روز روشن کی آمد کا غلغلہ بلند کر رہے تھے کہ گوہر آرا بیگم نے کہا "اچھا بہائی بہنوں خدا حافظ اہل خیر سے شام کو پھر جمع ہونگے اور آج اپنے مرنے والوں کا چالیسواں کرینگے"

جلسہ برخاست ہوا اور لوگ اپنے اپنے گھر رخصت ہوئے مگر شام سے پہلے ہی خلقت انواع و اقسام کے کھانے لیکر آپہونچی۔

افسوس ہے مجھے آج ٹھیک یاد نہیں مگر اتنا خیال ضرور ہے کہ دیگوں کی گنتی نہ تھی چاروں طرف زردہ بریانی پھیلا ہوا تھا بلا مبالغہ سو سوا سو دیگیں ہوں گی یہ کہنا ہی مشکل ہے کہ کتنے اور کونسے خاندان شریک ہوئے مجھے جہاں تک یاد ہے شاید ہی کوئی گھر بچا ہوگا زمین آدمیوں اور کھانے سے پٹ رہی تھی کھانا شروع ہونے سے پہلے حمید مخبر اور اسکا چھوٹا بھائی جس کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں۔ گوہر آرا بیگم کو دکھائی دے گئے دیکھتے ہی آپے سے باہر ہوگئیں اور کہنے لگیں۔

ارے جوانا مرگ حمید تو نے تھوڑی مصیبت توڑی ہے کمبخت پھلوا سے بچے تیری بدولت یتیم ہوئے مہینہ دو دو مہینہ کی دلہنیں تیرے ہاتھوں رانڈیں ہوئیں تو نے بھرے پرے گھر اجاڑے اور جوان شیروں کو جو ہمارے آس نہ پاس پھانسی پر لٹکوا دیا آج تو نیک بنکر کھانا کھلانے اور ثواب پہونچانے آیا ہے ابھی وقت یہاں سے دور ہو اور نکل جا نہیں تو یاد رکھیو اتنی جوتیاں ماروں گی کہ بھیجا پلپلا ہو جائے گا لو سوچ ہے

وہ یہ کہہ کر کھڑے ہوئے وضو کیا اور ایسی اذان دی کہ میلہ گونج اُٹھا نماز حافظ ضمیر نے پڑھائی اور اس کے بعد ایک دفعہ اور غدر میں مرنے والوں کی پاک روحوں کو ثواب پہونچایا گیا اور بادشاہ کی درازیٔ عمر کی دُعائیں ہوئیں۔

میلہ صبح ہی اُکھڑ گیا تھا اور دلّی والے اپنے اپنے کاموں میں پھنس گئے تھے کہ دو بجے کے قریب اسی حمید مخبر کی اچانک موت کی خبر شہر میں پھیل گئی اس کی موت کے واقعات اس قدر تعجب انگیز ہیں کہ بیساختہ خدا کی قدرت یاد آجاتی ہے +

خاصا بھلا چنگا دِن کے گیارہ بجے تک چار دنظرف پھرا محلّہ کے ایک بڈھے آدمی کو مارا کئی ایک کو گالیاں دیں، ایک ایک سے لڑا اور مرزا احمد سے تو یہانتک کہا کہ "آکار ات کو تو خوب پھیلے۔ تو ہی میرا نام حمید جو تمکو شہر کا رہنا ہی نہ بھلوا دوں جب میں مخبر ہی مشہور ہو گیا تو اب پُوری ہی مخبری کر ونگا اور سب کو چھٹی کا کھایا یاد دلا دونگا" فیل کا ٹیل بنا ہوا تھا۔ جسکی طرف منہ کیا وہ ہی سہم گیا۔ ایک بجے دو نوانتھوں میں دو گنے لیے چوراہے کی طرف سے آرہا تھا سیدھے ہاتھ کو چمکڑا تھا اُلٹے ہاتھ پر اولیوں کے گدھے سامنے سے چارنی شلجموں کا ٹوکرا لیے آرہی تھی۔ بچکر نکلتا تھا کہ بڑھیا کی ٹکر لگی اس کی جھلی نیچے گری اور اس نے جوانی کے زور میں دو تین گنے سر پہ ایسے مارے کہ غریب خونم خون ہو گئی مگر خانٹ گالیاں دیتا ہوا آگے بڑھ گیا عورت خون پونچھہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور ٹوکرا سر پر رکھہ آگے بڑھی مگر نہ چلا گیا اور آگے جاکر پھر گری۔

حمید اینٹھتا ہوا چلا جارہا تھا چلتے چلتے کلیجہ میں درد اُٹھا ہائے ہائے کہتا ہوا زمین پر گرا۔ خون کی قے ہوئی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ آنکھیں پھر گئیں۔ لوگوں کا ٹھٹ کا ٹھٹ لگ گیا۔ جو تھا وہ لعنت بھیج رہا تھا اور خدا کی قدرت کے تماشے دیکھہ رہا

فرمایا جب یہ کھانا چالیسویں کا ہے تو ایصال ثواب کے راستے پہلے ختم ہو اس کے بعد کھانا کھایا جائے انکی رائے پسند کی گئی اور بسم اللہ انہوں ہی نے کی۔

دلی میں آج بھی بہت سے حافظ ہیں اور خدا کا شکر ہے رمضان المبارک میں یہ سینکڑوں مسجدیں آباد ہو جاتی ہیں اور شاید ہی کوئی ایسی مسجد ہو جہاں تراویح نہ ہوتی ہو ختم بھی ہوتے ہیں کلام اللہ بھی پڑھا جاتا ہے لیکن نہ معلوم اُس دور کے حافظ کیسے تھے انکی آوازوں میں کیا جادو اور دل میں کیسا درد تھا کہ مجمع پر سناٹا چھا گیا ہزارہا آدمیوں کا ٹھٹ مگر سانس تک کی آواز نہ تھی شہر کے مشہور حافظ امیر اللہ خاں کو پہلی مرتبہ میں نے وہیں سُنا اور دیکھا حافظ وزیر نے باوجود بخار کے مصری لہجہ میں ایک رکوع اس طرح پڑھا کہ آنسو نکل پڑے اس کے بعد تو مجلس کا رنگ ہی بدل گیا سب کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں ختم کے بعد سلیمہ سلطان نے نعت پڑھی اور دلوں کے ٹکڑے اُڑا دئے اور بیویاں بھی پڑھنے کا ارادہ کر رہی تھیں مگر گوہر آرا بیگم نے کہا کہ بس اب پہلے کھانا کھایئے گیارہ بجے ہیں باسی ہو جائیگا۔

کھانے میں خاصے ڈھائی تین گھنٹے صرف ہوئے دو بجے کے قریب فارغ ہوئے تو امی خاں نے جو شہر کا مشہور گویا تھا بادشاہ کی ایک غزل سُنائی اس وقت کی مجلس کا یہ حال تھا کہ کلیجہ منہ کو آرہا تھا مجھے غزل یاد نہیں مگر قدسی کی غزل پر بادشاہ کی تضمین تھی امی کے بعد اور لوگوں نے بادشاہ ہی کی غزلیں پڑھیں اور یہ رات اسی طرح ختم ہوئی تو حافظ رحمت نابینا نے بلند آواز سے فرمایا۔

"ہمیشہ رہے نام اللہ کا"

کوئی رات کی بچی بچائی باسی کرسی روٹی بغل میں ماری دو چار پان کے ٹکڑے مٹی کا حقہ ساتھ لیا اور وہیں شام کر دی۔ اگر کوئی مچھلی مل گئی تو فبہا محلہ بھر میں عید ہو گئی۔ کچھ بچی کچھ بانٹی کچھ کھائی کچھ رکھی۔ نہ ملی تو چپکے سے آ کچھ موجود ہوا تو کھا کر ورنہ فاقے سے چپکے سے پڑ رہے۔

شہزادوں کا یہ خاندان غدر کے بعد کچھ شادی بیاہوں کے اور کچھ کام کے سلسلہ میں منتشر ہو کر دوسرے شہروں میں پہونچ گیا یہ جس وقت کا ذکر ہے اس وقت دلی شہزادوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی مگر افلاس نے ایسی بری گت بنا دی تھی کہ روٹی تھی تو کپڑا نہ تھا اور کپڑا تھا تو روٹی نہ تھی۔

دلی میں جو میلے اس سے پہلے ہوئے وہ میں نے نہیں دیکھے مگر اس کے بعد میلے بھی دیکھے دربار بھی دیکھے۔ جلسے اور محفلیں بھی دیکھیں۔ بیگمیں اور کانفرنسیں بھی دیکھیں مگر جو صورتیں میلے میں نظر آگئیں وہ تو پھر کیا نظر آتیں اُن جیسی بھی پھر دیکھنے میں نہ آئیں۔ ہاں پھول والی بیگم جب تک زندہ رہیں انکی لہکار اور انکے پھولوں کی مہکار وہ سماں یاد دلاتی رہی۔

برجیس دولہن جو اس میلے کی جان اور گوہر آرا بیگم جو اس برات کی دولہن تھیں بہت روز تک زندہ رہیں۔ برجیس دولہن کلاں محل کے پاس رہتی تھیں مگر گوہر آرا بیگم اپنی نند کے ساتھ سلطان جی چلی گئی تھیں کبھی کبھی پھول والی بیگم کے ہاں ان شہزادیوں کا جمگھٹا ہو جاتا تھا۔ عید اور بقر عید پر سب کی سب پھول والی بیگم کے ہاں جمع ہوتی تھیں اور رنگ رلیاں منا لیتی تھیں۔ قطب میں بھی اندھیری باغ میں ایک برسات میں نے اس میلے کے چار یا پانچ سال بعد شہزادیوں کی دیکھی ہے۔ جھولے پڑے ہوتے تھے اور آم جامنوں کی جھلیاں رکھی ہوئی تھیں

تنہا اسکا بڑا بھائی چارپائی پر ڈالکر گھر لیگیا اور کسی حکیم کو لایا وہاں جاکر کیا گذری یہ تو خبر نہیں ہاں یہ سنا تھا کہ کتے کی طرح ڈیڑھ دو گھنٹہ بھونکا آخر اسی طرح تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔ عصر کی نماز میں اسکا جنازہ مسجد میں آیا مگر ایک مسلمان نے بھی نماز نہ پڑھی بڑی مشکل سے آغا حیدر اور مولوی سلیمان صاحب کے سمجھانے بجھانے سے کوئی پانچ سات آدمی شریک ہو گئے اور اس طرح مغرب سے پہلے پہلے اس بدبخت کا جنازہ قدم شریف میں پہونچا اور رات کے اندھیرے میں جب روشنی بھی برائے نام تھی گورکنوں نے اوندھا سیدھا دبا دیا۔ اس کی موت نے ساری دلی کو سبق دیا اور مدتوں اسکا چرچا شہر کے بچہ بچہ کی زبان پر رہا۔

اس کی مچھاتی لاش پر چاروں طرف سے لعنت برس رہی تھی اور اگر دو چار آدمی بیچ بچاؤ نہ کرتے تو خدا معلوم اسکا کیا حشر ہوتا۔ شاید شہر والے تکا بوٹی کر ڈالتے۔ بڑے بھائی کی جو شامت آئی تو پھول کر بیٹھا لیکن شہر والے تو درکنار محلہ کا بھی کوئی آدمی جاکر نہ پھٹکا پھاٹک حبش خاں میں مولوی احمد اللہ صاحب کا یتیم خانہ تھا سارا کہانا وہاں بھیجا مگر انہوں نے بھی لینے سے انکار کر دیا اب یہ نہ معلوم کہ کتوں نے کھایا یا بلیوں نے بہرحال اس کی موت کا وہ حشر ہوا کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔

شہر میں سب امی جمی تھی مگر دلی والوں کے دل بادشاہ کے ساتھ اس اطمینان کو رو رہے تھے جو غدر سے پہلے نصیب تھا گوروں کے رعب کی یہ کیفیت تھی کہ اگر دور سے صورت نظر آجاتی تھی تو بعض اللہ کے بندے تو کانپ جاتے تھے۔

غدر کے بعد جو انقلاب ہوا وہ ایسا نہ تھا کہ دلی اسکو آسانی سے فراموش کر دیتی ہزارہا کھاتے پیتے دو دو دانوں کو محتاج ہو گئے جن کے گھروں پر گھوڑے بندھے ہوئے تھے ان کو روٹی تک نصیب نہ تھی۔ جنا ان بدنصیبوں کا پیٹ بھی بھر رہی تھی اور دل بہلا رہی تھی صبح اٹھے اور مچھلی کی ڈور کانٹے لیے اور دریا پر پہنچ گئے

کڑھائیاں چڑھی ہوئی تھیں اور پنگیں بڑھ رہی تھیں۔ پھول والی بیگم جس وقت جھولے میں بیٹھی ہیں تو گوہر آرا بیگم انکے ساتھ پاؤں جوڑے بیٹھی تھیں۔ سلطانہ بیگم اور برجیس دولہن جن کے ساتھ اور بہت سی بیبیاں تھیں جھولا جھول رہی تھیں پھول والی بیگم نے جس وقت یہ ملہار شروع کیا ہے۔

"جھلوا جھلاتے ناگن ڈس گئی"

تو باغ گونج اٹھا تھا۔ شام تک چہل پہل رہی۔ گوہر آرا بیگم کو میں نے اس کے بعد نہیں دیکھا۔ سنا ضرور کہ زندہ ہیں اسی طرح برجیس دولہن بھی پھر نظر نہ آئیں ہاں پھول والی بیگم کی صدا روز رات کو بلند ہوتی تھی وہ کبھی کبھی جب جی چاہتا تھا تو خود ہی بادشاہ کی کوئی غزل الاپتی تھیں مگر جہاں انہوں نے غزل شروع کی اور دوکان کے آگے بھیڑ لگی، رات کے سناٹے میں شاید ہی کوئی ایسا سنگدل ہوتا ہوگا جس کے کلیجہ میں بیگم کی آواز نہ گھستی ہو۔

افسوس یہ ہے کہ بیگم کے سوا جسکو سرکار سے کچھ نہ ملتا تھا باقی اور سب شہزادیوں کی جنکو ماہانہ وظیفہ مل رہا تھا حالت نہایت ردی تھی ٹھیک یاد نہیں مگر گوہر آرا بیگم کے ہاں سب مل جل کر پچاس روپیہ سے کم کا وظیفہ نہ ہوگا مگر انکے نندوئی اور دیور بھنگ، چرس، چنڈو، کبوتر، مرغ، گلدم، ہرنگ میں رنگے ہوئے تھے یقینی طور پر تو کہنا مشکل ہے مگر گمان غالب ہے کہ مہینہ میں ایک آدھ فاقہ ضرور تو آتا ہوگا۔ انکی بھتیجی قمر آرا جسکو انہوں نے بیٹی بنا لیا تھا پہلی بیوی کے مرجانے کے بعد سلطان دولہا سے بیاہی گئی۔ یہ سب ہی گنوں پورے تھے لمبی سفید ڈاڑھی تھی مگر چوک پر روزانہ کبوتر ہاتھ میں لیے موجود ہوتے تھے۔ ٹوپی تو چکٹ ہوتی تھی، مگر ہوتی وہی شاہانہ تھی میں نے انکو چوک

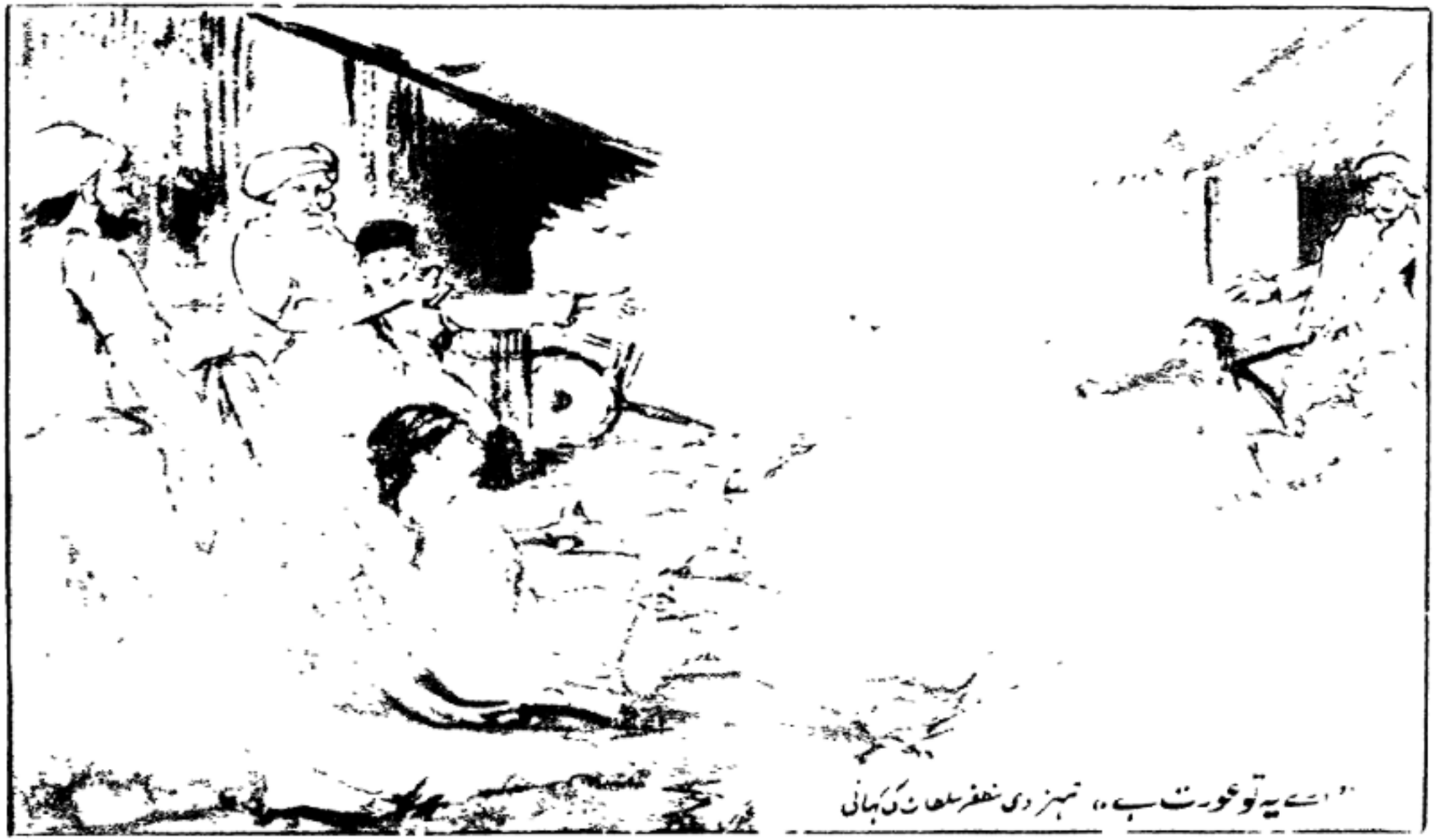

"اے یہ تو عورت ہے"، تہمزدی مظفر سلطان کی کہانی

Mughal Art Prints Dealer